مدر انڈیا (بھارت ماتا) کا جواب

بھارت پتا

مترجمہ

ڈاکٹر محمد شریف، اختر۔ ایم۔ ڈی۔ ہومیو

نوٹ۔ یہ کتاب مدر انڈیا مصنفہ مس کیتھرائن میو کے جواب میں فادر انڈیا کے نام سے مسٹر سی ایس رانگا آئر کے قلم سے لکھی گئی ہے۔

صرف ٹائیٹل پیج

باہتمام خاکسار ایس۔ ریاض الدین عفا عنہ

الملکہ ٹ ابو العلائی پریس آگرہ میں چھاپا گیا

وھو الجلیل

بھارت پتا

مترجمہ

ڈاکٹر محمد شریف اختر ایم۔ ڈی ہومیو

بفرمائش
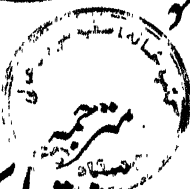
عالیجناب بابو عبدالحمید صاحب فیروزپوری

در مطبع کریمی واقع لاہور باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر

چھپی

التماس

ناظرین کرام کو واضح ہو کہ بھارت پتا (فادر انڈیا) اصلی انگریزی کتاب پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۲۲ء کو انگلینڈ میں شائع ہوئی۔ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کا پہلا ایڈیشن چند دنوں میں فروخت ہو گیا اسی طرح دوسرا اور تیسرا۔ غرضیکہ نومبر کے ایک ماہ میں اس کتاب کے پانچ ایڈیشن پبلک کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچ گئے اس پر بھی بس نہ ہوئی۔ اصرار برابر جاری تھا۔ پانچ ہی پھر دوسرے ماہ میں تیار ہوئے۔ اس طرح صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں دس ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔

بھارت پتا موجودہ ترجمہ آخری دسویں ایڈیشن کا ہے۔ نامعلوم اس کے بعد بھی کتنے ایڈیشن چھپے ہونگے۔ انگریزی کتاب کا یہ حال ہے انگلستان میں ــــــ اردو دان پبلک کے لئے بھی اس کا ترجمہ کسی صورت میں کم نہ ہو گا۔ میرا کام ترجمہ کرنا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ جس نے اردو دان پبلک کی خدمت کرنیکا موقعہ دیا۔ حوصلہ افزائی آپ کا فرض ہے اور اس کا پیش کرنا میرا کام۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خاکسار محمد شریف اختر۔ ایم۔ ڈی۔ ہومیو فیروزپور

دیباچہ۔ بھارت پتا

ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جو زرخیز جنت نشاں ہونے کے باعث
ہر قوم و ہر فرقہ اور ہر ملک کے آدمیوں کے قدم چومنے کیلئے ہر وقت تیار رہتی ہے
اور پھر اس زمین پر انگریزی حکومت ہونے کے سبب ہر ملک کے باشندے نہایت
آسانی سے آ جا سکتے ہیں ابتدا ہی سے ہر ملک کی حریص نگاہیں ہندوستان
کی جانب بے طرح لگی ہوئی ہیں۔ اور اب اگر کوئی دوسرا ملک اسے پا نہیں سکتا۔
تو کم از کم اس ملک کے باشندے ہندوستان میں ضرور لالچ کے سبب
آتے ہیں۔ ہندوستان آپ تو فقیر ہو رہا ہے مگر اسکی حمیت اس بات کو گوارا نہیں
کرتی۔ کہ میری زمین کی حدود میں آ کر کوئی غیر شخص تنگدست رہے۔ اور یہی وجہ
ہے کہ آج تک ہندوستان اپنا گھر بنانے کی بجائے دوسروں کے گھر بھر رہا
ہے۔ جسطرح آدمی اور حیوان کی خاصیت میں فرق ہے اسطرح
ملک ملک کی بھی خاصیت جدا جدا ہے اور ہندوستان کا تو بس یہی خاصہ
ہے۔ کہ دوسروں کے گھر بھرتا رہے۔ یہی اسکی عادت اور یہی اسکی سرشت
میں داخل ہے۔ آپ چاہے اسے ہر حالت میں کمزور رہنا پڑے۔ اور اسکی
مثال بعینہٖ مانند اس بھوکے ننگے فقیر کی ہے۔ جو کسی امیر کے پاس جا کر ہاتھ
پھیلاتا ہے۔ اور امیر اس پر سوال نہیں کرتا۔ کہ تو تو ہٹا کٹا تازہ ہے جا اور جا کر
مزدوری کر۔ بلکہ برعکس اسکے وہ رحم کھا کر کہ شاید کوئی مصیبت کا مارا مانگنے پر مجبور
ہے۔ اسکو کچھ بطور خیرات کے دیتا ہے۔ اب خیرات لیکر اگر فقیر کسی اور جگہ جا کر

اپنے دل میں یہ کہے۔ کہ خیرات دہندہ کسقدر بیوقوف ہے تو یہ درست نہیں
کیونکہ یہ فقیر کا کمینہ پن اور امیر کی دریا دلی ہے۔ کہ اس نے رحم کھا کر اسکو کچھ دیدیا
اور اب فقیر اپنے مکر و فریب کے زیر اثر اسکو بیوقوف بنا رہا ہے۔ اسی طرح
اگر دوسری اقوام اب اگر اس بات پر فخر کریں۔ کہ ہندوستان بیوقوف
ہے۔ اور ہم نے اسکو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے تو شائد یہ درست نہیں
کیونکہ مانند اس امیر کے ہندوستان فطرتی طور پر دوسروں کی پرورش
کرنیوالا پیدا ہوا ہے اسلئے بجائے اسکے کہ دیگر اقوام مشکور ہوں اگر ہندوستان
پر مختلف قسم کے آوازے کسے جائیں تو یہ کسقدر بری بات ہے ہندوستان
نے کبھی کسی ملک کے برخلاف زہر نہیں اگلا۔ پھر اگر کوئی حق بات کہے تو
انسان سن سکتا ہے۔ مگر غلط سننے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ ہندوستان
میں رہ کر اسکا نمک پانی کھا پی کر مس میو نے ہندوستان کے
برخلاف اپنی کتاب مدر انڈیا (مادر ہند) میں زہر اگلا ہے۔ اور خوب جی
بھر کر غلط بیانی سے کام لیا (میں ان باتوں کی بابت لکھتا ہوں جو مذہبی
نقطۂ نگاہ سے باہر ہیں۔ اور جن کا الزام ہندو مسلم ہر دو اقوام پر آتا ہے) اسکے
یہ معنے ہوئے کہ آپ نے ہندوستان سے نہایت بے وفائی کا سلوک کیا
جو ہرگز نہ چاہئے تھا۔ کاش مس موصوف کتاب لکھنے سے قبل اپنے
ملک امریکہ کی حالت کو اگر غور سے ملاحظہ فرماتیں تو شائد ایسا نہ لکھ سکتی
مگر افسوس دیدہ دانستہ اس نے یہ ایک کام کیا۔ جو ہر ہندوستانی کی نظروں
میں ایک نہایت بے وفائی ہے مسٹر سی ایس رنگا آئیر نے جو جواب
اپنی کتاب فادر انڈیا (بھارت پتا) میں دیا ہے وہ قریباً درست ہے۔

تو فاضل مصنف نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا ہے اور کسی جگہ بھی
بس موصوف کی طرح تہذیب کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ حالانکہ جواب
عوام کے خیال میں نہایت برے الفاظ میں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ایک مہذب
انسان کی طبیعت اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی اور وہ کسی حالت میں بھی
تہذیب کی حدود سے باہر نہیں ہوتا۔ یہ کتاب بھارت ندا فاضل موصوف
کی اصلی انگریزی کتاب ناودانیہ کا سلیس ترجمہ ہے۔ اصلی کتاب میں
انہوں نے الفاظ کی شیرینی کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ واقعات کو غلط ثابت
کرنیکے لئے صاف الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے اور میں کتنی ایک رعایت
کو مدنظر رکھتے ہوئے شاید مضمون کو رنگین نہ بنا سکوں۔ مگر اصل کتاب
کا ہر حالت میں ترجمہ درست ہوگا۔ اگر پبلک میں اصحاب کی نگاہیں
بھارت ندا میں کسی جگہ کوئی خامی دیکھیں تو بندہ کو مطلع فرما دیں۔
آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دیجاویگی۔

فقط

محمد شریف اختر ایم ڈی ہومیو فیروزپور چھاؤنی
مورخہ یکم اکتوبر سنہ 1928ء

بھارت پتا

باب اوّل

اتّہام

ایک شاعر کا قول ہے کہ تہمت تلوار کی دھار سے تیز اور ڈنک زہریلے جانور کے زہر سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ جو انسان کی جسم و جان کو تباہ کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ اسلئے کس قدر ظالم ہستی وہ ہے جو تہمت جیسی ناپاک و زہریلی شے کو کام میں لائے۔ یہ ایسی چیز ہے جسکا داغ تا قیامت دامن سے نہیں چھوٹتا اور ابدالآباد تک ساتھ جاتا ہے۔ آہ کاش! ایسے انسان دنیا سے ناپید ہوتے کیونکہ ایک تنہا ہستی دوسرے کروڑوں انسانوں کے لئے زہر کا اثر رکھتی ہے تلوار کا زخم مندمل ہو کر بے نشان ہو سکتا ہے۔ مگر زبان اور تحریر اور [illegible] کا زخم ایسا ایک خطرناک زہریلا زخم ہے جسکا اندمال ناممکن ہے ؏

دو مختلف مغربی ممالک سے ہندوستان میں دو سیاح آ گئے۔ جن میں سے ایک امریکن عورت امریکہ سے جس کی آنکھوں پر تعصب اور غرور کی عینک چڑھی ہوئی تھی دوسرا ایک انگلستان کا اصلی معنوں میں تربیت یافتہ انگریز جو حقیقت میں انسان تھا آیا اور ان دونوں نے ہندوستان کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کتابی صورت میں کیا۔ [illegible] نے جو کچھ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اُس میں کسی کو کلام نہیں۔ اس کتاب میں [illegible] موصوف کے خیالات کی بلند پروازی

واقعات کا صحیح ہونا بالکل نمایاں ہے خاص نے خراب باتوں کو خراب طریقہ پر تحریر کرنے کی بجائے ایسی طرز اختیار کی ہے کہ سمجھدار انسان سمجھ جائے مگر برا نہ مانے اس دنیا میں ایسے انسان بہت کم ہیں جن کے الفاظ کسی جاندار کے لئے بھی باعث تکلیف نہ ہوں۔

دوسری طرف امریکن عورت ہے۔ جس نے اپنی کتاب کا نام مادر ہند رکھا ہے جس میں اسنے قومی نفرت انگیز خوب دکھائی ہے۔ کیونکہ اسکی پرورش ہی ایسے ماحول میں ہوئی ہے۔ یہ کتاب ہندوستانیوں کیلئے زہر قاتل سے کہیں بڑھکر ہے۔ جس میں کہ مصنفہ نے ہندوستانیوں کے برخلاف خوب زہر اگلا ہے کیونکہ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ اگلے زمانہ میں نیویارک میں تہمت لگانیوالے کو سخت سزا دیجاتی تھی۔ ایک بات مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو جسکا نام جان آدم زن تھا صرف ایک ذی اثر و باوقار شخصیت پر تہمت لگانے کے الزام میں زبان کاٹ کر اور لوہا تپا کر اس پر داغ لگاکر شہر بدر کرنے کی سزا دیگئی تھی اور موجودہ زمانہ میں بھی اتہام لگانے والے کیلئے سخت سزا ہے۔

مادر ہند کی امریکن مصنفہ مس میو ہے۔ کیونکہ یہ کتاب تقریباً سب کی سب غلط بیانی پر مشتمل ہے اسلئے لکھا گیا ہے کہ خود اس کے ملک امریکہ میں اس کتاب کو جلا دیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کا واحد جواب یہ ہے در اصل مس موصوف ہندوستان میں صرف اس غرض سے تشریف لائیں تھیں کہ ایک ایسی موثر کتاب لکھی جائے جو جنسی پہلو لئے ہوئے ہو

اور جو اسقدر مشہور و بیہودہ لغو ہو۔ کہ جس سے مس صاحبہ دنیا میں مشہور
ہو جائیں در اصل تو اب کی بنیاد ہی مشہوری کا خبط تھا جو مس صاحبہ کے
سر پر بہت بری طرح سوار تھا۔ انسان کو چاہیے کہ خطرناک واقعات کو اسقدر
بہ متانت و ٹھنڈے لہجہ میں لکھا اور ادا کیا جائے۔ کہ جس سے دوسرے
انسانوں کے دل نہ دکھیں اگر زمانہ کو ایک ایسا کام کرنا درکار تھا اس کے لئے
عورت بہتر تھی۔ اور وہ جو مس میو جیسی جو بجائے برف کے آگ برسا گئے
جس وقت میں موصوف کو کون روک سکتا تھا۔ مگر ہاں اتنا ضرور ہے
کہ اس نے اپنا پارٹ نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے اسکے علاوہ اب
ہر قوم اور ملک کو آگاہ رہنا چاہئے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ جسطرح اسے
ہندوستان پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ اسطرح کسی دوسرے پر بھی
نزلہ گرے۔

اور بہت میں مس موصوف لیگ آف نیشن کو مخاطب کر کے یہ کہہ
رہی ہیں کہ اب ہندوستان سے ایسا سلوک کیا جائے جیسا کہ ہندوستانی
ذلیل قوموں سے کرتے ہیں۔ اور دوسری جانب تمام ممالک کو مخاطب
کیا جاتا ہے۔ کہ تمام مہذب ممالک ہندوستان کی قبیح بیماریوں سے
بچیں کیونکہ ہندوستان ہر اک قسم کے امراض کا گنجینہ اور غلاظت
کا دفینہ ہے۔ اور متعدی امراض مثلاً ہیضہ وغیرہ کا گھر ہے۔ 1893ء میں جبکہ صوبجات
متحدہ آگرہ و اودھ میں ہیضہ کی وبا پھیلی تو مس موصوف کو خوف
پیدا ہو گیا کہ ایسا نہ ہو کہ تندرست اجسام کے ذریعہ یہ وبا یورپ میں
نہ چلی جائے۔ اسلئے لکھتی ہیں کیونکہ سفر کی رفتار اب پہلے کی نسبت

زیادہ تیز ہے۔ اور اسلئے دوران وبا میں خطرہ بھی بہت ہے بنگال
دنیا کی خراب ترین جگہ ہے کیونکہ یہاں پر دہشت و خوف پولیٹیکس
اور سیہ بہت ہے۔ یہ کوئی اہم چیزیں نہیں۔ کہ جن پر کوئی مزو مخول
اڑا سکے۔ کیونکہ یہ بہت سی غلط بیانی پر مبنی ہے۔ اب امریکن مصنفہ
اپنا خیال تناسلی امراض کے ہسپتالوں کے متعلق ظاہر فرماتی ہیں
اور اسکے متعلق مواد بہم پہنچانے کے بعد دنیا کو یوں مخاطب کرتی ہے
"میں ہندوستان میں گئی اور دیکھا کہ ہر ہندوستانی 26 چھبیس سال
کے بعد بالکل نامرد ہو جاتا ہے۔ اور کسی مرد کو آتشک اور کسی عورت کو
سوزاک یا اسکے برخلاف کسی عورت کو آتشک اور مرد کو سوزاک ہے
اور کسی کو ہر دو امراض نے گھیر رکھا ہے"
ہندوستان کی آبادی تمام دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے
اور قابل امریکن مصنفہ ایک قریباً پانچ لاکھ قصبوں میں پھری
پرانے انگریز آفیسر جو ہندوستان کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں
اور تعریف کرتے ہیں اس بات کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ
مس میو اپنے خیالات کے برخلاف اظہار کرتی ہے چند ایک تناسلی
امراض کے ہسپتالوں کا معائنہ کرتے ہوئے کس طرح مس صاحبہ تمام
ہندوستانیوں کو ایک ہی تہمت کے رشتہ میں جکڑنا چاہتی ہے
اور اپنے خیالات کا اظہار نہایت دلیری سے مذکورہ بالا الفاظ میں
کرتی ہے۔ کاش اسقدر بڑی تہمت لگانے سے پہلے اگر مس موصوفہ
اپنے ہی وطن کے نیویارک شکاگو اور سین فرانسسکو کے تناسلی

امراض کے ہسپتال تو انکا ملاحظہ فرماتیں تو ہرگز یہ بات لکھنے پر آمادہ نہ ہوتیں۔ جہاں کی حالت دیکھنے سے رونا آتا ہے۔ مگر ایسا کیوں ہوتا اسے تو ہندوستان اور غریب ہندوستان کی برائی منظور تھی اور ہمارے جہان میں تشہیر کرنا مقصود تھا۔

مس میو اپنے آپ کو نہایت ہوشیار عورت ثابت کرتی ہے اور اس کتاب سے اُسکا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ہندوستان آزادی کے قابل نہیں اور یہی ایک جذبہ ہے جو اس سے اس قسم کی باتیں کرا رہا ہے جھوٹ سچ کہکر اسکا منشا یہی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو ضرب پہنچائی جائے

مسٹر ہر کی اس بات پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ کیا کوئی شخص تمام قوم کو تہمت لگا سکتا ہے - یہ بالکل غلط ہے۔ مگر افسوس کہ وہ تو اٹھارویں صدی کا ہم جانوی شخص تھا مگر مس میو موجودہ زمانہ اور انیسویں صدی کی عورت ہے جو ان تمام قیود سے آزاد ہے -

مس صاحبہ کی ہوشیاری اس بات سے صاف عیاں ہے کہ صرف چند ہسپتالوں کا معائنہ کرنیکے بعد تمام قوم اور ملک کا اندازہ لگا لیا کہ تمام ملک ان امراض میں مبتلا ہے دوسری جانب دیکھئے کہ آپ کہتی ہیں کہ میں قریباً پانچ لاکھ گاؤں اور قصبوں اور شہروں میں پھر رہی ہوں۔ جب حاکرین سنے یہ بات معرض تحریر میں لائی ہے آپ اندازہ لگائیں کہ ہندوستان میں اگر ۵۰۰۰۰۰ گاؤں ہیں اور اگر فی قصبہ گاؤں یا شہر کیلئے ایک دن قرار دے لیا جاوے کہ مس صاحبہ ایک

گاؤں میں صرف ایک ہی دن رہی ہیں۔ تو خیال فرماویں کہ پانچ لاکھ
دنوں کے کتنے سال ہوتے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اس امریکن عورت کی
وسط عمر ستر سال ہے اور اس کے علاوہ وہ ایک سو سال اور زندہ
رہ کر سابقہ اور آئندہ اکیسویں صدی کی عمر میں سے سب سے
زیادہ عمر پا گئی۔ اور سابقہ تمام لمبی عمر والوں کو مات کر گئی۔ اسکے علاوہ
آپ یہ بھی تھوڑی دیر کیلئے تصور کر لیں۔ کہ مس صاحبہ کے پاس ایک
گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جانے کیلئے موجودہ ہوائی جہاز تھا
تاکہ وہ ایک گاؤں سے دوسرے تک پہنچنے کیلئے جو ایک آدھ دن
فضول جاتا ہے۔ وہ بھی بچ رہا۔ اس صورت میں بھی وہ ایک سو ستر
سال کی عمر تک پانچ لاکھ گاؤں ہرگز پھر نہیں سکتی۔ حالانکہ پانچ
لاکھ دنوں کے قریباً 1370 سال ہوتے ہیں۔ اس سے آپ حضرات
خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مس موصوف کا بیان کہاں تک درست
ہے لیکن اسکو کیا جاوے۔ وہ تو گھر سے ہی تمام مضمون کا
اپنے دل میں مسودہ تیار کر کے نکلی تھی اور اس مسودہ کے مطابق
اس نے کتاب تیار کر دی وہ لنڈن کے انڈیا آفس میں گئی
وہاں جہاں کہ تصویر کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا اور دکھایا جاتا ہے
کیونکہ لنڈن کے انڈیا آفس میں ہندوستان آنے والے
صاحبان کو صرف تصویر کا تاریک رخ ہی دکھایا جاتا ہے تاکہ انگریزی
اقتدار ہمیشہ ہندوستان پر ایسی صورت سے ہی قائم رہے
اور کسی خدا کے بندہ سے پر صحیح اور درست بات کا اظہار نہ ہو جائے

مس موصوف تو خاص اس غرض سے ہندوستان تشریف لانا چاہتی تھیں۔ مگر مقام تعجب ہے کہ وہ انگریز جو ہندوستان کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کتاب پرنش سے مس نہیں ہوئے۔ کہ ہمارے رفیق سیاح کی قلم سے کیسی کتاب نکلی ہے۔

باب دوم

(امریکن مس اور فتنۂ بنگال)

امریکہ اور انگلستان میں بنگال کی بابت بہت کچھ لکھا جا چکا ہے کیا بم اور پستول بنگال میں اس کثرت سے ہیں اور اموات کی اسقدر زیادتی ہے۔ کہ الامان۔ کلکتہ کی گلی کوچوں میں موت کا بازار گرم رہتا ہے اور دہشت الشان۔ ان مہیب اسلاح کو اپنے ساتھ لئے کسی انگریز۔ پولیس آفیسر اور یا کسی شاہ پرست کی جان لینے کیلئے کہیں نہ کہیں چھپے رہتے۔ اور ایک مرتبہ بنگال گورنر کی سپیشل ٹرین کو تباہ برباد کرنے کی بھی سعی کی گئی ہے۔ اسلئے یہی مناسب تجویز ہوئی کہ ایسی فتنہ انگیز جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ کو ہندوستان کا دار الخلافہ بنایا جائے۔ اور وائسرائے کے رہنے کی جگہ ایسی جگہ سے دور ہونی چاہئے۔ اور یہ سوچ کر کلکتہ سے دور دہلی کو منتخب کیا گیا اور اسجگہ پر دار الخلافہ کی عمارت استوار کیگئی۔ لارڈ کرزن صاحب اپنی کتاب

گورنمنٹ ہند میں مس فتنہ انگیزیوں کی بابت بہت کچھ افسوس کا اظہار کر چکے ہیں۔

حکومت اور مہاتما گاندھی کے درمیان ٹھن جھیڑ ہوئی سدباب کیلئے حکومت کو سخت حربہ کام میں لانا پڑا۔ اور سربرآوردہ لیڈروں کو دلالی مقامات کی جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ رہائی پر مہاتما گاندھی کے پیروؤں نے اپنے لیڈر کے فرمان کے مطابق ہر قسم کی تکلیف کا جواب نہایت خاموشی کے ساتھ دینا شروع کر دیا اور حکومت کے جبر و تعدی کے مقابلے میں بالکل ہاتھ اور زبان درازی کی۔ اس سے ہر شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ جب حکومت کی ہر تعدی و تکلیف کا جواب ہی نہ دیا گیا۔ تو پھر فتنہ کیسے بپا ہوا۔ اسکو وہ (حکومت) اسکے دوست اور خدا جانتا ہے۔ مس میو نہیں کیونکہ اسکی بھلائی اور نیکی کو ہندوستان ہی جانتا ہے۔

تمام سابقہ بنگال کے حالات کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ بنگال میں کوئی شورش وغیرہ نہیں ہوئی۔ اور سنگدل انگریز اعتراف کرتے ہیں۔ مگر مس لکھتی ہیں۔ کہ امریکن سیاح (مس میو) نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ بنگال کے گلی کوچوں بازاروں اور چھوٹے بک سٹالوں میں تنگ اور چھوٹے سینہ والے جن میں خون کی کمی اور نظر بہت کم دور تک کام کر سکتی ہے (بندو سانی طلباء) اپنے قومی لباس میں ہندوستانی خیال کے رسالے اور پمفلٹ پر

ملزادن کیڑے کی طرح پڑھنے میں گزار رہے ہو۔ کیا ہے "کیا وہ
بغیر کسی تصدیق کے جیل کی کوٹھڑی میں دھکیل دیے گئے؟
نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ جب گورنمنٹ ہند اور بنگال کو کسی تیر سخت
یقین ہو جاتا تھا اس وقت (بلا تصدیق پر بھی نہیں) اپنا کام کرتی
تھی جس میں رعائت کو بالکل دخل نہ ہوتا تھا۔ اور باوجود ایسی بندشوں
اور انتظام کے بھی امریکن عورت لکھتی ہے کہ بنگال فتنہ اور شرارت
سے پر ہے۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ رعایا
پرست ہو یا شاہ پرست کہ تمام ہندوستانی جھوٹے ہیں۔
اور جو ایسا کرتا ہے۔ وہ گویا مس میو کا ہمنوا ہے جسکا مذہب یہ ہے کہ
ہندوستان کی آزادی کو غصب کرنیکے لئے ہر ممکن طریق سے
ہندوستان کی دیگر ممالک کے سامنے تحقیر کی جائے۔
ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں انقلاب پیدا کرنے
والوں نے ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے اسلئے نہیں کہ موقعہ بالکل
صاف نہ تھا۔ بلکہ اسلئے کہ نامناسب تھا۔ مقصد یہ نہ تھا کہ ججوں اور
دیگر عمائدین کو تہ تیغ کیا جائے۔ اگر یہی مقصد ہوتا۔ تو انگریزوں کی
حکومت بنگال پر سے کبتک کی چلی گئی ہوتی۔ سچ پوچھئے تو ان کے
پاس سوائے پولیس کی تفتیش اور قانون کے اور کوئی کارآمد حربہ
نہیں۔ اور پولیس کیا ہے۔ مس میو کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں "ان کی
پولیس کی خوبی اور دلیری کا راز موقعہ کی صورت میں پنہاں ہے جس
نے انکی اکثر جبین بھر جاتی ہیں" غور کریں کہ جب مرحوم سی آر داس

کلکتہ جیسے شہر میں لارڈ میر کی جگہ اور سوبھاش بوس (آئی - سی - ایس) نے ملکر کام شروع - جبکہ گاندھی کلکتہ کا ایگزیکٹو آفیسر تھا - اس صورت میں پولیس سخت عذاب میں ہونی چاہئیے تھی کیونکہ یہ اشخاص معزز تھے - اور ان کی موجودگی میں پولیس اپنی جیبیں نہ بھر سکتی تھی - اور مسٹر سوبھاش بوس آخری آدمی ہوتا جو اس صورت میں اپنی جیبیں بھرنے میں کامیاب ہوتا - سوال پیدا ہوتا ہے - کہ کیا تعجب ہے - کہ وہ پولیس کا ایک مہیب شخص ثابت ہوتا ہے - ذرا سنیئے مسٹر سوبھاش بوس نے اپنی تمام دولت غریب و نادر طلبا کی تعلیم کیلئے وقف کر دی - جس پر مس میو کی نکتہ چین نگاہ نے یہ اعتراض اٹھایا - کہ گلیوں میں کتابوں کے کیڑے سارا دن روسی خیال کے رسالے پڑھتے رہتے ہیں - اگر حقیقتاً وہ روسی خیال کی ورق گردانی کرتے ہوتے - اور ملک میں اپنے خیالات کی وجہ سے ایک تغیر پیدا کر دیتے اور پولیس اس پر کچھ نہ کہتی - کیونکہ بقول مس میو پولیس تو اپنی جیبیں بھرنیکے موقع کی تلاش میں رہتی ہے - کیا یہ موقع نہ تھا - کہ پولیس دل کھول کر روپیہ بٹورا - اسے مسٹر سوبھاش بوس کو جس نے غریب طلبا کی تعلیم کا انتظام کیا بغیر جرم معلوم ہوئے جیل میں بھیج دیا گیا - سوبھاش بوس جو کہ بالکل تندرست اور توانا انسان تھا - اور 24 گھنٹوں میں سے 15 گھنٹے کام کیا کرتا تھا - ایک خوشگوار صبح کو بمعہ اسکے دوستوں کے جیل کوٹھڑی میں مقید کر دیا گیا - جس سے اسکی عمدہ صحت میں فتور واقع ہوگیا - اور وہ مرض دق میں نہایت خطرناک طور پر گرفتار ہوگیا -

جیسا کہ آفیشل رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور بیمار ہونیکی وجہ سے اسکو
رہا کر دیا گیا۔ مسلسل تین ماہ کی قید نے اسکی صحت کو برباد کر دیا
اور اس عرصہ میں ہندوستان اور بنگال کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔
اسکے دوسرے ساتھی جو خراب حالت میں نہ تھے ان کو برابر زنداں
کی کوٹھڑی میں قید رکھا گیا۔

ہائی کورٹ کے ججوں کو خفیہ طور پر ہر فرد کی حالت معلوم کرنے کا حکم
ملا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کیا حضور شہنشاہ برطانیہ
ایسا کر سکتے تھے؟ مگر افسوس کہ مس میو پھر بھی ہندوستانی
ججوں کو خراب ہی کہتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنوں کا گلا کاٹنے سے باز
رہے تھے۔

ابتدائی مسٹر میکالے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ کاشیلین کی ایک
کہاوت مشہور ہے کہ [ابتدائی] زمانہ میں تمام دنیا پانی تھی۔ اور آدمی مچھلیاں
تھیں اور یہ بنگال پر بالکل صادق آتی ہے۔ اور مس میو نے میکالے
کے نقش قدم پر چلکر ہی اسنے لکھا ہے۔ کہ بنگال کے آدمی
عورتوں سے بدرجہا کمزور سا اور از حد بزدل ہیں۔ اور پبلک لیکچرار دل
میں وہ وہ امراض پنہاں ہیں۔ جو ہمارے خیال و وہم میں بھی
نہیں آسکتیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر بنگالی بزدل
ہیں تو وہ پھانسی کے تختہ کو بخوشی کیوں قبول کر لینے پر اُتر
آتے ہیں؟۔ اور وہ کیوں جیل کے جہنم نشاں کوٹھڑیوں میں
تکالیف برداشت کرنے کو طیار نظر آتے ہیں؟۔ وہ کیسے عہد

کی تحریک برپا کرتے ہیں۔ کیا یہ بزدلی نامردی کی ہی علامات ہیں۔ مس میو لکھتی ہے کہ "یہ فتنہ کی تحریک کثرت مباشرت کا نتیجہ ہے۔ اور تناسلی امراض ان فسادات کا منبع"۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ مس میو ڈاکٹر ہے۔ اور اسی لئے اس نے پروپیگنڈا پھیلانے کیلئے اس سائنٹیفک تشخیص کا اہل دنیا پر اظہار کیا ہے۔ بانئے فتنہ کی تحریک کی خیالی تشخیص کو اصلی مصنف (مس میو) کے الفاظ میں ہی ظاہر کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی اس بنیاد کی جڑ (یعنی فتنہ) تناسلی دلچسپیوں میں پنہاں ہے۔ ہندوستانی اپنے ملک کی بابت خوب جانتے ہوئے مس میو کی خرافات کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ مس میو کے زریں الفاظ ملاحظہ ہوں "ہندوستانی لڑکی عام حالات میں بلوغت کے ۶ ماہ بعد ہی ماں کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور یہ عرصہ آٹھ سال سے چودہ برس کی عمر کے درمیان کا ہے۔ خاوند کا حال کیا ہے وہ تو شاذ و نادر ہی لڑکی کی عمر سے بڑا ہوتا ہے اور یا اسکے برخلاف وہ پچاس برس کا رنڈوا ہوتا ہے۔ جسکے ساتھ وہ پہلے پہلے ازدواجی زندگی کا لطف حاصل کرتی ہے۔ خورد سال ماں نہایت دردناک حالت کے ماتحت حاملہ ہوتی ہے.......اب جو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ نہایت نحیف و ناتواں اور پھر ایک مشت استخواں ہوتا ہے۔ روحانی کمزوری اور اکثر زہریلے امراض کا مادہ اس میں موجود............جیسا بھی مالیت کا دوالیہ دنیا میں کیا کر سکتا ہے.... بچہ نہایت بزدل۔ بیمار۔ ناتواں۔ اور مریل۔ بلکہ اسقدر کمزور

اور ان میں رعشہ بھلا ایسے ہاتھ حکومت کی عنان کو کب ہاتھ
میں رکھ کر سنبھال سکتے ہیں" مسٹر سی ایس رانگا آئر کا جواب ملاحظہ
فرماویں "مگر ایسے کانپتے ہوئے اور بیمار ہاتھ کیسے بم بازی اور پستول
کا فائر کر سکتے ہیں۔ اور یہی ہاتھ ہیں۔ کہ جنہوں نے (بقول مس میو)
گورنمنٹ کی راتوں کی نیند اچاٹ کر رکھی ہے اور وائسرائے کا بھی آرام
حرام کر رکھا ہے۔ صبح و شام ہر وقت شاہ پسندوں کے دروں
پر پولیس کا پہرہ رہتا ہے۔ ملاحظہ فرماویں کہ خود مس میو تو لکھتی ہے
کہ کلکتہ کے بازاروں میں شاہ پسندوں اور اعلیٰ آفیسروں کی جان سے
لینے کو مہیب اسلحہ چھپائے ہوئے انکی قیمتی جان لینے کو چھپے رہتے
ہیں۔ مگر اب کمزور و ناتواں دکھا کر بزدل و نامرد بنا کر اس بات کا اظہار
کر رہی ہے کہ ایسے رعشہ زدہ ہاتھ حکومت کی باگ کیسے سنبھال
سکتے ہیں۔ مس میو لکھتی ہے "کہ یہ سب کچھ وظیفہ زوجیت کی
کثرت کا نتیجہ ہے۔ بنگال پولیٹیکل بے چینی کی آماجگاہ ہے ہندوستان
میں انارکسٹی کا منبع بم پھینکنے والوں اور قاتلوں کا دار الخلافہ بنگال
ہندوستان میں کثرت مباشرت میں درجہ اوّل رکھتا ہے کسی
ملک میں پولیس اور میڈیکل حکام ایسے عجیب مجرمانہ حیثیت میں ایک
دوسرے سے متعلق ہو سکتے ہیں"
کیا مس میو پولیس کے حکام میں سے ہے؟ نہیں وہ اعتراف کرتی
ہے کہ وہ ایک امریکن شہری عورت ہے اور باحیا اور پاکدامن ہے
مگر حقیقت میں وہ ایک عجیب عورت ہے۔ اور اس کا نتیجہ بھی نہایت

خود ایک دوسری شے ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اخلاق سوز کتاب کیوں لکھی۔ مگر وہ یہ کہتی ہے کہ میں ایک غیر جانبدار۔ بغیر کسی دوسری طاقت کے اور بلا مدد کے میں نے کام کیا ہے۔
ہندوستانی اخبارات اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہیں۔ کہ مس صاحبہ نہایت کھلے الفاظ میں اقرار کرتی ہے۔ مگر دراصل بات یہ ہے کہ کتے کو بدنام کرنا اور مارنا بہت آسان کام ہے

تیسرا باب

خوردسال ماں

ہندوستانی لڑکی (مس میو لکھتی ہے) عام حالات میں بلوغت کے ۶ ماہ بعد ہی ماں کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور کئی مقامات پر وہ 8 سے ۱۴ سال کے درمیان بالغ ہو جاتی ہے۔ ۱۴ سال تو آخری حد ہے اور جلد سے جلد 8 سال کی لڑکی بھی بالغ ہو جاتی ہے اور یہ ایک اوسط کے درجہ سے دور کی ہوئی بات ہے اور اکثر ایسا نہیں ہوتا۔
مس میو تسلیم کرتی ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کی بلوغت کا زمانہ عموماً ۱۴ سال ہے۔ اور جو اس نے 8 سال کی بلوغت کا لکھا ہے وہ تو بالکل از سر تا پا غلط ہے۔ اور اسکی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ میں ماننے کو

تیار ہوں۔ کہ 14 سال کی لڑکیاں ہندوستان میں خوردسال مائیں بن جاتی ہیں۔ مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا۔
بچپن کی شادی ہندوستان کا اصول نہیں ہے ویدوں میں اسکی بابت منع کیا گیا ہے۔ وید ہندوؤں کی پرانی اور مقدس تحریر ہے۔ جیسے عسائیوں کیلئے مقدس کتاب انجیل ہے اسی طرح وید ہندوؤں کیلئے پاک اور مقدس ہیں۔ مس میو نے ایسے ہی مقدس ویدوں میں سے لکھا ہے جیساکہ اسکا بیان ہے۔ مگر درحقیقت تمام کتاب میں اسنے ایک لفظ بھی ویدوں سے نقل نہیں کیا۔ جسکو صحیح مانا جائے۔ اسکا اعتراض صاف ہے وہ ہندوؤں کی پرانی کتابوں کی مقدس تحریر سے ہی انکار کرتی ہے۔ زمانہ ماقبل میں ہندو ایک بربری تھے۔ اور وہ اب بھی بربری ہی ہیں۔ اور بربری رہینگے۔ یہی اسکی کتاب کا مقصد و منشاء ہے۔ زمانہ سلف میں جیساکہ مغرب کے مایاناز سپوت پروفیسر میکس مولر نے اعتراف کیا ہے۔ کہ ہندوؤں کی تعلیمی اور اخلاقی حالت اور ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اور وہ نہایت مہذب و با اخلاق واقع ہوئے تھے عورتیں اپنے خاوند خود منتخب کیا کرتی تھیں راجہ نل جو کہ حضرت عیسٰے سے تقریباً دس ہزار برس پیشتر ہوا ہے اس کے عہد کے واقعات سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ پرانے ہند کی عورتوں کو وہی حقوق ملے ہوئے تھے۔ (عورت جسے چاہے اپنا خاوند منتخب کر سکتی ہے) جو آجکل امریکن عورتوں کو ہیں۔ رامائن جو کہ ایک رزمیہ کتاب ہے اور جس میں رام چندر اور سیتا جی کی شادی کا بھی حال ہے۔ اس بات کی پوری گواہی ہے۔ کہ مہذب اور با اخلاق لڑکیاں اپنے خاوند اپنے ہی پلہ چنا کرتی تھیں سیتا جو کہ راجہ

جنک کی بیٹی اور نہایت خوبصورت وباعصمت عورت تھی۔ اسکے بہت سے شہزادے خواہشمند تھے مگر اس نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ چاہتی تھی۔ کہ جو شخص کمان کا چلہ چڑھا دیگا اس سے میں شادی کرونگی۔ بہت شہزادے اور راجکمار زور آزمائی کر چکے تھے۔ آخر رامچندر نے چلہ ہی نہیں چڑھایا بلکہ چلہ چڑھا کر اسقدر تانا کہ کمان درمیان سے دو ہو کر رہ گئی وہ تھا زمانہ تیر اندازی کا۔ جبکہ رامچندر کے مقابلے میں سب ناکام رہے اور رام چندر کامیاب ہوگیا اس طرح سے سیتا نے اپنا خاوند خود منتخب کیا مذکورہ بالا زمانہ کے سات ہزار سال بعد یعنی تین ہزار قبل مسیح ہندوستان کے رسم و رواج میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور عورتوں کو پہلے سے بھی زیادہ آزادی ملتی ہے۔ اور پوشیدہ شادیوں کا کم و بیش رواج ہوتا ہے۔ ارجن جوکہ مہابھارت کا ایک زبردست ہیرو ہے وہ کرشنا کی ہمشیرہ کے ساتھ فرار ہوگیا۔ اور پوشیدہ طور پر شادی کرلی۔ کنتی (پانڈوں کی والدہ) کا ایک لڑکا شادی سے پہلے تھا جوکہ بعد میں راجہ کرن کے نام سے مشہور ہوا۔ اور وہ اسی لاعلمی میں رہا۔ کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔

اسکے بعد ایک ایسا زمانہ آیا۔ جبکہ مردوں نے عورتوں کی آزادی کو کم کرنا چاہا۔ اور آخر کار ان کی آزادی سلب کرلی مسلمانوں کی آمد نے عورتوں کی آزادی کی ایک حد مقرر کردی۔ اس انیسویں صدی میں رشی دیانند صاحب مانند ایک مسیحا کے میدان میں آئے۔ اور انہوں نے سابقہ اور گذشتہ آزادی کو جوکہ اس سے قبل عورتوں کو ملی ہوئی

تھی۔ دوبارہ گذشتہ زمانہ کیطرح عطا کی۔ اور اس بات کے لیئے پرزور جدوجہد سے کام لیا۔ کہ اس طرح پھر آزادی دلائے جیساکہ آج سے نو دس ہزار برس پیشتر تھی۔ رشی صاحب ایک سنسکرت کے عالم تھے کوئی ذ علم کے حامل نہ تھے برہمچاری تھے اور بچپن کی شادی کے سخت مخالف۔ اب بھی آریہ سماج دس اور گیارہ برس کی شادی کو عموماً ترجیح نہیں دیتے۔ انہوں نے ہندوستان کی آبادی کا دسواں حصہ اس جدوجہد کے لئے مخصوص کر رکھا ہے ہمیں بھی اس بات کا خاص ہونا چاہئیے اور خیال کریں کہ راجہ رام موہن رائے اور کیشاب چندر سین کے پیرو ہرگز بچپن میں شادی نہیں کرتے۔ گرو نانک صاحب کے پیرو سکھ صاحبان میں بھی سترہ اور بیس برس کی عمر میں عموماً شادی ہوتی ہے جبکہ ان کے تمام قوٰے بالکل اصل اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ صرف مدراس پریذیڈنسی کے برہمنوں میں بچپن کی اکثر شادی ہوتی ہے۔ صرف مس میو مدراس کی مجلس قانونی ساز اس کو ہی اس رسم بد بجائے رکھنے کے عوض میں قابل الزام خیال کرتی ہے۔ اور جنہیں مس صاحبہ مطعون کرتی ہے وہ اصل میں برہمن نہیں۔ تمام برہمن بچپن میں شادی نہیں کرتے اور اگر ہیں تو وہ احاطۂ مدراس ہی کے برہمن ہیں۔ اس ظالمانہ رسم کی بیخکنی کے لئے رائٹ آنریبل سری نواس شاستری نے اس معاملہ کو امپیریل کانفرنس لندن میں پیش کیا جس کو قریباً عرصہ دس سال کا گزر چکا ہے اور اس

بات پر زور دیا۔ کہ بچپن کی شادی کا انسداد ہونا ضرور ہے۔
بلوغت سے قبل شادیاں صرف برہمنوں میں ہوتی ہیں۔ دیکھنا یہ
ضروری ہے کہ یہ شادیاں کیا ہیں لڑکی عموماً دس اور تیرہ کے درمیان
ہوتی ہے اور لڑکا سولہ اور بیس کے درمیان اور شادی کی
رسوم لڑکی والے کے گھر میں ہوتی ہے جہاں کے بہت سے اسکے
احباب اور مہمان اور عورتیں موجود ہوتی ہیں اور ایسی تقریبوں میں
عورتیں خاص طور پر حصہ لیتی ہیں اور وید وں کے بہت سے شلوک
پڑھے جاتے ہیں۔ لڑکا اور لڑکی (دولہا دلہن) ایک دوسرے کا ہاتھ
تھامے ہوئے مقدس آگ کے گرد چکر لگاتے ہیں اور عوام کے سامنے
ایک دوسرے سے اقرار کرتے ہیں کہ ہماری صحت تنگ دستی و
فارغ البالی غرضیکہ ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار
رہیں۔ حتی کہ موت جدا کردے۔ اسکے بعد لڑکا اپنے گھر چلا جاتا
ہے اور لڑکی اپنے گھر رہتی ہے۔ اسکے بعد دوسری تقریب
لڑکے کے گھر میں ہوتی ہے۔ مگر دلہن اس سے نہیں ملتی مگر جاتی
ضرور ہے۔ مگر اپنے عزیزوں کے ہمراہ پھر گھر واپس آجاتی ہے
پھر جب دلہن بالغ ہو جاتی ہے تو تیسری تقریب ہوتی ہے زمانۂ
سلف میں ہندوستان میں شادی کی رسم تھی وہ بالکل موجودہ مہذب
ممالک کی طرح کی تھی مگر بالکل ایسی نہ تھی جیسی کہ آجکل ہے
یہ قابل غور بات ہے کہ بچپن کی شادی کا رواج صرف برہمنوں میں
ہے اور وہ بھی صرف اعاظم مدراس کے برہمنوں میں جو کہ مراعین

ایک کی نسبت سے ہیں۔ حقیقتاً یہ نتیجہ حد سے زیادہ آزادی کا ہے کہ
شادی کے معاملات میں بہت ہی آزادی دیجاتی۔ اور یہ اسی کا
نتیجہ ہے۔ جو آج بھگتنا پڑ رہا ہے جسکی بابت فاضل امریکن جج ریاستہائے
متحدہ امریکہ کی بابت لکھتا ہے۔۔

گمراہ مس میو کا مقابلہ کرنیکے لیے جسکی بابت وہ لکھتی ہے کہ وہ پلیگ کی
جگہوں پر گئی ہسپتال دیکھے ہمیں فاضل جج لینڈسے کے الفاظ سے مدد ملتی
ہے اس نے امریکہ کے پبلک سکولوں کا معائنہ کرنیکے بعد ایک نتیجہ نکالا
ہے مگر مس میو کا مقصد صرف پولیٹیکل تھا۔ اور وہ بہت سے متعصب
اشخاص سے ملی تھی۔ جج لینڈسے نے سکولوں کا معائنہ کیا اور ان
کی اخلاقی حالت کا بہت عمدہ نقشہ کھینچا ہے جو قارئین کی ضیافت طبع کیلئے
آگے پیش کیا جاویگا جج موصوف کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان خرابیوں
کو ظاہر کرکے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اخلاقی حالت درست
کرائے۔

وہاں کی کیا حالت ہے؟ "پہلی بات جو شہادت کے طور پر پیش کی جاتی
ہے وہ یہ ہے کہ ہائی سکولوں کے تمام طلباء جو رقص کی مجالس میں
شریک ہوتے ہیں۔ اور برق رو گاڑیوں میں جنس لطیف کے ہمراہ
سوار ہوتے ہیں۔ ان میں سے نوے فی صدی بوس و کنار بغلگیری
اور محبت و پیار کی کئی کئی منزلیں طے کرچکے ہیں ...... یہ شہادت
جو مجھے ملی ہے اسکی بابت عملی طور پر نوے فی صدی اشخاص کو
مجھ سے اتفاق ہے" ...... بعض لڑکیاں تو ایسی باتوں کیلئے

اس قدر اصرار کرتی اور خواہشمند نظر آتی ہیں جیسا کہ لڑکے اُن کیلئے بیتاب و برقرار۔ لڑکیاں ان کی تلاش و جستجو میں رہتی ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ ملکر روحانی حظ حاصل کریں "
امریکن لڑکیوں کی قسموں کو تقسیم کرتے ہوئے اب اس قسم کی بابت لکھا جاتا ہے۔ جو کہ اتنی ہی جلدی بالغ ہوتی ہے جتنی کہ ہندوستانی لڑکیاں جسکی بابت مس میو نے اپنے گوہر بار قلم سے مدر انڈیا میں تحریر کیا ہے "جن لڑکیوں میں خواہش نفسانی کی تحریک شروع ہوتی ہے انکے قلوب ابھی اسقدر قوی نہیں ہوئے کہ اس اُٹھتے ہوئے جوش جوانی پر قابو پا سکیں" فاضل جج ایک مقام پر اس طرح لکھتا ہے کہ "لڑکیوں کی اور بھی قسم ہے۔ جو نفسانی خواہشات کو زیادہ نہیں پورا کرتی مگر وہ لڑکوں سے اس بات پر رضامند ضرور ہو جاتی ہے۔ اور اجازت دیتی ہے۔ کہ آزادی سے صرف محبت ہی کی جائے اور اس کے ساتھ رقص ضرور کیا جائے اور اس بات کو وہ ایک عنایت اور کرم خیال کرتی ہے" یہ لڑکیاں طبقۂ ادنیٰ سے نہیں ہیں۔ فاضل جج لکھتا ہے کہ جب میرا توقع زیادہ تر طبقۂ اعلیٰ اور مہذب و دولت مند شخصوں کو ہی ان مخرب اخلاق کاموں میں ڈوبا دیکھا ہے۔ یہ لڑکیاں طبقۂ ادنیٰ کی اگر بچہ جانا ہو تو چودہ سے ستراسال کی درمیانی عمر کی تھیں مس میو کہہ سکتی ہے۔ کہ بوس و کنار محبت و پیار کوئی جرم نہیں صرف محبت و پیار اور بوس کنار ہی نہیں بلکہ وہ تو ایک خاص قسم

کے ناچ کی اجازت دیتی ہے جسکی بابت جج لنڈسے نے ایک خاص پیرائے میں تحریر کیا ہے۔ کہ لڑکیاں لڑکوں کو ایک ناچ کی خاص قسم میں شوق سے شریک کرتی ہیں۔

"کیا تم آن۔ ۔۔۔ اس رقص کے طریقے پر غصہ نہیں آتا" جج موصوف نے دریافت کیا "معمولی بات کی بابت تمہارا کیا خیال ہے" مس بیو نے اتفاقیہ دریافت کیا۔ "بالکل تو نہیں مگر کچھ لڑکیوں پر اس علیحدہ رقص کا اثر ضرور پڑتا ہے۔" "میں آپکو جو اصل حقیقت ہے وہ بتاتی ہوں" مس موصوف کہتی گئی۔ "بہت سی لڑکیاں اس قسم کے ناچ سے کوئی خاص لطف حاصل نہیں کرتی ہیں ہم ناچ کے علاوہ بھی حظ حاصل کرتی ہیں۔ ہم مجالس میں جاتی ہیں اور ساتھ ان نوجوانوں کو لیجاتی ہیں اسلیئے کہ ہم رقص کی شائق ہیں صرف یہی سبب ہے اور بس"

"اور نوجوان ......" جج نے اسکے الفاظ کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مس صاحبہ نے فوراً جواب میں کہا۔ "نوجوان ہماری لاتیں کھانے کیلیئے رقص میں شریک ہوتے ہیں۔ (یہ امریکن نوجوان کی غیرت ہے)۔

"کیا ناچ کے دوران میں لاتیں کھاتے ہیں" جج موصوف نے کہا۔

"ہاں رقص کے دوران ہی میں" جواب کو جاری رکھتے ہوے کہا۔ "جیسا کہ آپ پر روشن ہے کہ لڑکی کو اپنے جسم کے نزدیک ترکرتے ہیں۔ جسکے بعد خواہ وہ ادنےٰ ہو یا اعلیٰ بشرطیکہ لڑکی رضامند ہو مگر میں نہیں ایسا کرتی" جج نے کہا کیوں۔ کیوں کہ تم پھر انکے ساتھ رقص

کرنے پر راضی اور خواہشمند ہوتی ہو۔ جبکہ آخر نوجوانوں کو ناچ کے درمیان لاتیں ہی کھاتی پڑتی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ابھی بیان کیا۔ کیا آپ کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں کہ باوجود لاتیں کھانے کے بھی وہ آپ لوگوں سے آزادی سے ملتے ہیں۔ بشرطیکہ تم لوگ خواہش ظاہر کرو۔" اُن بے وقوف اور سادہ لوحوں کو اس میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ خیال کرتے ہیں میں اسکا اظہار کر کے خواہ مخواہ اپنا سر کیوں کھپاؤں یہ ان کا معاملہ ہے اس سے مجھے کچھ سروکار نہ ہونا چاہئے وہ جلیس و خوار ہوں کیا مجھے رقص کی مجلس نہیں مل سکتی۔ ہاں اور رقص کے مقابلہ میں میرا ان میں شمار مت کرو۔

جج موصوف کے پرزور الفاظ سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ ہے حالت مہذب و بااخلاق عورتوں کی جن پر اُن کو از حد ناز ہے۔ نہیں ہو کر سکتی ہے کہ یہ "تو صرف ناچ ہی ہے" مگر جج صاحب کیا فرماتے ہیں وہ کہ ایسی باتیں لڑکیوں کے والدین اور استادوں کی عدم توجہی کے باعث ہوتی ہیں اور اس طریقہ پر ہوتی ہیں ....

.... کہ والدین اور استادوں کو کسی قسم کے شک کا موقع ہی نہیں ملتا اور نہ وہ شک کر ہی سکتے ہیں" مِس صاحبہ کے ملک کی ننانوے فی صدی لڑکیوں کی یہ حالت ہے۔ مشرقی نقطۂ نگاہ سے ایسی باتیں بدچلنی اور آوارگی کی علامات ہیں اور یہ ہے امریکن فضا جس میں امریکہ کی لڑکیاں پرورش پاتی ہیں (خدا ہندوستان

کو ایسی بدہوا کے بد اثرات سے محفوظ رکھے) مس میو کہہ سکتی ہے: "آخر بوس وکنار محبت وپیار اور محبت پیار اور بغلگیر ہونا اور اسکے علاوہ ایک نئی قسم کا ناچ یہ سب کچھ اصولی طور پر پاس ہو جاتا ہے" مگر اگر اصل بات پوچھیئے تو خرابی ساری یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے اس سے نادان لڑکیوں کے اخلاق وعادات پر نہائیت ہی برا اثر ہوتا ہے جس سے موجودہ امریکہ نہائیت برے طریق پر تباہ ہو رہا ہے اور جس کا خاکہ جج صاحب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"پچاس فیصدی لڑکے جو بوس وکنار اور بغلگیری جیسے افعال میں مبتلا ہوتے۔ وہ اپنے آپ پر قابو پا کر اپنے آپ کو ایک خاص حد کے اندر نہیں رکھ سکتے بلکہ وہ ان حدود سے تجاوز کر کے دیگر آزاد مجالس میں آزادانہ آزادی کے لطف اٹھاتے ہیں .... اس قسم کے تعلقاتِ محبت یہیں پر ختم نہیں ہوتے بلکہ بلاخوف بڑھتے جاتے ہیں جس سے آخر کار جوان لڑکیوں میں عصبی امراض لاحق ہو جاتی ہیں جس سے انکی آئندہ عمر پر نہائیت برا اثر پڑتا ہے اور ایسے ادور عموماً والدین اور استادوں کی اکثر لاعلمی میں ظہور پزیر ہوتے ہیں — اسکے بعد فاضل جج مشہور اطباء کی بابت اپنی رائے قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "جہانتک اطباء اور اخلاق کا تعلق ہے یہ نامناسب باتیں جیسی طبیبوں کے قابل التفات ہیں۔ ایسی ہی لڑکیوں کیلئے خطرناک ہیں" جج موصوف زرا پُر زور الفاظ میں آگے تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے فی صدی میں سے پچاس فی صدی لڑکوں پر ان جنس لطیف کی دوستیوں سے صحت کو ایسا ہی

نقصان پہنچتا ہے۔ جیسا کہ لڑکیوں کو یعنی صحت اور اخلاقی نقصان میں ہر دو فریق یکساں ہیں۔ اور یہ ایک انسانی زندگی کے غیر منطقیانہ تخیل کی ایک مثال ہے اور اگر یہ نہیں تو اِس قسم کے منطقیانہ خیال کی بنیاد ہی دھوکے پر استوار کی گئی ہے اور اکثر ایسا ثمر ہماری قدیم روایات پر سختی سے پابند ہونیکے عوض میں ملتا ہے۔

ہماری زندگیاں جنسی پیچیدگیوں کا مقابلہ کرنے میں فی الحال کوئی اتنی دلچسپی نہیں لیتیں۔ کیونکہ اِن میں اخفاءِ راز مکر و فریب اور ظاہری بناوٹ کو بہت دخل ہے۔

مس میو اپنے خیال میں پھولی نہیں سماتی۔ اور خیال کرتی ہے۔ کہ اُس کے پاس مشرق کو ذلیل کرنیکا بہت مواد ہے۔ مگر اُسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مشرق اخلاق اور روحانیت میں ابھی اُسکے اپنے ملک سے بہت آگے ہے جسکی گرد کو بھی اُسکا ملک ابھی نہیں پہنچ سکتا۔

جج موصوف آگے چل کر اپنا اندازہ زنا کی بابت اسطرح قائم کرتے ہیں۔ کہ پندرہ سے پچیس فیصدی لڑکے جو ہم آغوش اور بوس و کنار کا آغاز کرتے ہیں آخر کار وُہ اپنے انتہائی مقصد پر قابو پا لیتے ہیں۔ اور یہ اکثر کم و بیش بلا تفریق و بلا امتیاز وقوع پذیر ہوتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں ...... جج موصوف لکھتے ہیں... کہ یہ نتیجہ اور قیاس میں نے ہائی سکول کے طلباء سے نکالا ہے۔ جو مجھے ایک خاص ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔

مس میو ہندوستان کی خورد سال ماں پر طعنہ زن ہے۔ مگر اُسکو معلوم ہو۔ کہ وُہ لڑکیاں باقاعدہ شدہ ہوتی ہیں۔ اور باقاعدہ نکاح ہوا ہوتا ہے۔ اور پھر جو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ باقاعدہ حلال کے ہوتے ہیں۔ جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان بے شمار امریکن بچوں کیطرح نہیں ہوتے۔ ابھی کنواری

لڑکیاں ہی کئی بچوں کی ماں ہوتی ہیں۔ نامعلوم باپ اپنا کام کرکے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اور اسطرح ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہریوں میں رات دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستانی بچے اُس جرم کے سزاوار نہیں۔ جو سِس میو کہتی ہے بلکہ اُن میں سے شعرائے اعظم جیسے ڈاکٹر ٹیگور۔ خدارسیدہ گاندھی جیسے مشہور قانون دان اور وکیل جیسے مسٹر سنہا اور مسٹر داس۔ تلک اور راناڈے جیسے فاضل اور عالم۔ سیواجی اور رنجیت سنگھ جیسے جری بہادر۔ سر جے۔ سی بوس اور سر پی۔ سی رائے جیسے مشہور عالم سائنس دان۔ دیانند جیسے اور دو کانند جیسے رشی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے کارناموں سے سارا یورپ حیران ہے۔ یہ ہیں ہندوستان کے فرزند اور مایہ ناز سپوت جن پر ہندوستان کو بجا طور پر فخر ہے۔ اب فاضل جج لنڈ سے آگے چل کر امریکن خوردسال ماں کی بابت جو کہ ابھی زمانہ طالبعلمی ہی میں حاملہ ہو جاتی ہے۔ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

میرے پاس اسوقت کچھ ایسی امثال بھی موجود ہیں۔ جنکی جنسی خطا کاریوں کا ابھی تک کسی کو علم ہی نہیں ہوا۔ اور وہ ابھی تک گرفت سے آزاد ہیں۔ مثال کے طور 493 ہائی سکول کی عمر والی لڑکیاں (یہ سب کی سب ہائی سکولوں کی طلبا، نہ تھیں) میرے پاس آئیں۔ اور اِس بات کا اظہار کیا۔ کہ مدت سے اُنہیں نوجوان لڑکوں سے محبت کرنے اور جنسی تجربات کرنیکا موقع ملتا رہا ہے۔ اور وہ طرفین کے حظ سے لذت اندوز ہو چکی ہیں۔ اِن تمام لڑکیوں میں سے 25 حاملہ تھیں۔ گویا یہ قریبًا 5 فیصدی اور بیس میں اور ایک کی نسبت سے حاملہ ہوئیں۔ بقایا لڑکیوں میں سے کچھ تو اپنی خوبیٔ قسمت سے حاملہ نہ ہوئیں۔ اور کچھ لڑکیوں نے حمل کو کسی غیر قدرتی طریق پر خارج کرا دیا۔ اور یہ قریبًا عام بات ہے۔

اب بات یہ ہے۔ کہ 500 لڑکیوں میں تین چوتھائی لڑکیاں میرے پاس صرف اپنی مرضی سے آئیں۔ اِن میں سے کچھ تو حاملہ تھیں۔ اور کچھ بیمار۔ کچھ نادم اور پشیمان اور کچھ کسی رائے اور مناسب تجویز کیلئے وغیرہ وغیرہ

دیگر وہ چیز جو اکثر اُنہیں میرے پاس لایا کرتی تھی۔ وہ کوئی نہ کوئی تشدد یا فوری ضرورت تھی۔ اور وہ لڑکیاں میرے پاس صرف کسی خاص قسم کی امداد کیلئے آتی تھیں۔ کیا اُن کو وہ ضرورت اس سے بیشتر معلوم نہ ہوتی تھی۔ امداد کی طالب لڑکیوں کے علاوہ اور بہت بڑی تعداد میں ایسی لڑکیاں ہیں۔ جنہیں میرے پاس آنیکی ضرورت نہیں۔ اور نہ کوئی رائے ہی لینا چاہتی ہیں خواہ وہ ایسی تکالیف میں مبتلا ہی ہوں۔

دوسرے الفاظ میں مختلف طبقہ اناث کی لڑکیاں جو میرے پاس آئیں اُنکی تعداد 500 کے قریب تھی۔ اور اس میں قریباً دو سال کا عرصہ صرف ہوا میری ذاتی رائے ہے۔ کہ لڑکیاں میرے پاس اُسی حالت میں امداد کیلئے آئیں۔ جبکہ وُہ حاملہ تھیں یا کسی اور مہلک مرض کے پنجہ میں گرفتار۔ ان کے علاوہ اور بہت سی ہیں۔ جنہیں میرے پاس آنیکی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی تکالیف کو لینے چاہنے والوں کی مدد سے رفع کرالیا۔ اور بعض خوش قسمتی سے محفوظ رہیں۔ اسقاطِ حمل کے ماہروں کے پاس ایسی صدہا امثال موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ مگر اُن کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

25 سال تک جو وینائیل کورٹ کا فاضل جج مندرجہ بالا اقسام کے وقوعات پر نہائت توجہ دیتا رہا۔ اُس نے سینکڑوں نوجوان لڑکیوں اور نوجوانوں کو نہائت عمدہ بچاؤ کی تدابیر بتائیں۔ اُن کی موجودہ امراض کے دفیعہ کے لئے تن بدن کو

کوشش کی - آئندہ کیلئے مناسب ہدایات بتاکر اُن کو آنیوالی تباہی اور بربادی سے آگاہ کیا - اسلئے کہ وُہ عمدہ عورتیں اور خوشباش اور اچھے شہری ثابت ہوں - گویا اُسنے ہر ممکن کوشش سے طبقۂ ذکور و اناث کی خدمت کی - "میں امریکہ کے نوجوانوں کی ہجو نہیں کرنا چاہتا" فراخدل جج لکھتا ہے - "میں اِن کے (امریکن نوجوانوں سے) دوستوں میں سے ایک ہوں - اور یہ صرف ان کے بچاؤ اور حفاظت کیلئے ہے - کہ میں سچ بولنے پر آمادہ ہوا ہوں - اسلئے کہ اِن کی آئندہ زندگی خلقت کیلئے بہتر ثابت ہو - میں نے اپنی ۲۵ سالہ زندگی صرف اپنے نوجوان دوستوں کی زندگی درست کرنے کے لئے وقف کر دی - بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جو ہمیشہ میرے کاموں کی بابت دریافت کرتے رہتے ہیں"۔

فاضل جج نے کتاب امریکن نوجوانوں کی توہین کیلئے نہیں بلکہ بہتری کیلئے لکھی ہے - جس میں اُس نے اُن نوجوانوں کو جوان خرابیوں کا شکار ہونیوالے ہیں - اُن والدین کو جو اپنے بچوں کے اخلاق سے بے بہرہ ہیں - اُن سوسائٹیوں کو جو اِن بدمعاشیوں سے بےخبر دار ہیں - آگاہ کیا ہے - اُس کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ ریاستہائے متحدہ سورانح ناقابل ہے - اور جزائر فلپائن کی سیاہ فام آبادی کو کچھ مدت اور اخلاقی تعلیم کے زیرِ حفاظت رکھا جائے -

ہم غیر منکوحہ ماں کے بُرے اور خراب اثرات - پر خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہتے - اسلئے کہ ہم اِس قسم کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے -

سنہ ۱۹۲۰ اور اسکے درمیان جو وینائل کورٹ میں اس غیر منکوحہ والدہ کے متعلق ۷۶۹ مقدمات دائر ہوئے - جو سب کے سب ہائی سکول کی عمر کے تھے ہمارے پاس اِسکے متعلق ایک خفیہ یادداشت موجود تھی - اِن مقدمات میں تمام

لڑکیوں کی عمر ۱۶ سے ۱۷ کے درمیان تھی۔ اِن تمام اعداد میں سے 465
لڑکیاں اُس زمانے میں سکول سے نکل چکی تھیں۔ اور 304 سکول میں داخل
تھیں۔

جج موصوف لکھتے ہیں۔ کہ اِن لڑکیوں میں سے تین چوتھائی لڑکیاں صرف
اپنی ضروریات اور تکالیف کے ذریعہ کیلئے اُن کے پاس گئیں۔ یہ تعداد تین چوتھائی
صرف اسلئے رہی۔ کہ مجھ میں اور میرے سٹاف کے امکان سے یہ بات باہر
تھی۔ کہ ایک ایک معاملہ کے پیچھے سرگرداں پھریں۔ ورنہ اگر ہم اس جستجو میں
کامیاب ہوتے۔ تو اِس صورت میں تعداد کافی سے زیادہ ہوتی۔

769 لڑکیوں کے مقدمات کے ہمراہ قریباً 2000 ہزار مقدمات کا تعلق
ہے۔ جس میں نوجوان لڑکیوں کا شمار بھی ہے۔ اس اضافہ کے بعد ہر دو فریقین
کے پاس ہمیشہ اُن کے اپنے گروہ سے دوستوں کا جدا جدا گروہ ہے۔ جن میں سے
اکثر کا اس قسم کے مہذب اخلاق کارناموں کا پتہ کبھی دوسرے کو نہیں لگتا۔
اور وہ پوشیدہ ہی اس قسم کے تعلقات سے خوب اچھی طرح واقف ہوجاتے
ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ ایک لڑکی سے دوسری نوجوان لڑکی تک اور بالکل
اسی طرح ایک لڑکے سے دوسرے لڑکے تک چلا جاتا ہے۔ میں نے
بہت کوشش کی۔ کہ اس قسم کے سلسلوں کے اختتام کا سراغ لگایا جائے۔
مگر ہمیں دشوار گذار اور تاریک رستے کا پتہ جو آخر کار نوجوانوں کو ایک سخت
اور تاریک مصیبت کے غار میں جا پھینکتا ہے۔ نہ لگا۔ اور یہ ایک جستجو کرنیوالے
کیلئے سلسلۂ نامتناہی معلوم ہوتا ہے۔"

یقیناً اس قسم کے خوفناک وقوعات ہندوستان میں عنقا ہیں۔ امریکہ کی

رسوم اور سوسائیٹیاں لڑکیوں کو خوفناک تنہائیوں کی جانب لیجاتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں مواقع بہتر ہیں۔ کیونکہ یہاں کے پنڈتوں نے ملک کی آب و ہوا کے مطابق زندگی کی خرابیوں کو قبل از وقت سوچ کر اُن خرابیوں کے رفع کرنے کی تجویز سوچ رکھی ہے۔ اُن کا مقصد مہذب ممالک کیطرح انسان کی تکمیل نہیں۔ اور نہ ہی امریکن نقطۂ نگاہ کو اس جگہ دخل ہے۔ اور نہ ہونا چاہیئے۔ گرم ممالک میں جنوب کے سرد ممالک کی نسبت لڑکیاں جلد سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ انگریز خاتون سے جو کہ کمیشن کی ممبر تھی۔ ....
...... مس میو کی تحریر کی بابت دریافت کرنے پر جو معلوم ہوا۔ وہ یہ ہے۔ کہ مس میو کا بلوغت کی بابت فیصلہ درست نہیں۔ اُس نے دوران گفتگو میں کہا۔ کہ گرم ممالک اور ہندوستان کی ۱۲ سال کی لڑکی اور انگلستان کی ۲۰ برس کی لڑکی بلوغت کے درجہ میں دونوں یکساں ہیں۔

مس میو اپنے زہر آلود انداز میں تحریر فرماتی ہیں۔ "ہندوؤں کی پرانی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ نابالغ لڑکیوں کی شادی کی جاوے۔ ایک کتاب دوسری کتاب کے برخلاف کہہ رہی ہے۔ اور پنڈت بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ اور حقیقتاً اس قسم کی تحریروں سے متفق نہیں ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ کوئی جھگڑا کھڑا ہو۔ روزمرہ کے واقعات درمیان میں آکر اس قسم کے جھگڑوں کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ .... ہندو رسوم اس بات کی متمنی ہیں۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جلد از جلد آدمی اپنا جائز اور حقیقی بیٹا پیدا کر سکے۔" مگر امریکن رسوم کے زیر اثر غیر منکوحہ عورت سے ناجائز تعلقات رکھتے ہوئے وصلی اور اپنے حقیقی باپ کی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ جج لینڈسے کے الفاظ ملاحظہ ہوں "ہمارے ہائی سکولوں

کی دس فیصدی لڑکیاں نہائیت خطرناک راستے پر گامزن ہیں۔ میں دوبارہ کہتا ہوں۔ کہ یہ نہایت ہی قلیل تعداد ہے۔ جسکے ماتحت صرف چودہ ۱۴ - پندرہ ۱۵ سولہ ۱۶ اور سترہ ۱۷ سال کی لڑکیاں قابل ذکر ہیں۔ مگر ان کے علاوہ اٹھارہ ۱۸ انیس ۱۹ اور بیس ۲۰ سالہ مخرب اخلاق لڑکیوں کی تعداد فیصدی مذکورہ بالا سے کہیں زیادہ ہے"۔ اور یہ بالکل صحیح واقعات ہیں۔ جن سے جج موصوف کو واسطہ پڑا ہے۔ اور اسی لیئے انہوں نے لڑکیوں کی شہوت رانی کی بات صاف الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔

اسکے علاوہ جج ممدوح لکھتے ہیں "اسکے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد میں ایسی لڑکیاں ہیں۔ جن کی جانب ہنوز ہمارا خیال جا نہیں سکا۔ اور ابھی تک اسکے افعال عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں"۔

اسکے بعد نہائیت عقلمندی سے لکھتے ہیں۔ کہ "مجھے ان معاملات کی تہ کو پہنچنے کی ضرورت اور خواہش نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی تھوڑی تعداد بھی خوفناک ہے۔ گذشتہ سال (۱۹۲۷) مجھے اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے سابقہ پڑا ہے۔ کہ جن میں ناجائز طریق پر حمل واقع ہوا ہے۔ اُن بچوں کو ماؤں سمیت سنبھالا۔ اور انکی پورے طور پر نگہداشت کیگئی۔ ان میں سے ہر لڑکی یا تو میرے پاس آئی۔ کہ زچگی کے وقت کا مناسب انتظام کردوں۔ یا اسکے برخلاف استقاط حمل کے ماہر کے پاس گئی۔ تاکہ وہ ناجائز بچے کو ضائع کرنیکا بندوبست کرے۔

"تین لاکھ کی آبادی والے ایک شہر میں ایسی وارداتیں کچھ تو ہائی سکول میں داخل شدہ لڑکیوں میں اور کچھ باہر کی لڑکیوں میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

مس میو کہ سکتی ہے۔ کہ ایسا ایک شہر یا اسکے چند سکولوں میں ہوگا۔ مگر ہر شہر اور ہر سکول میں نہیں ہوسکتا۔۔۔ جج لینڈسے صاحب اسکی بابت کیا جواب دیتے ہیں۔

"ایسی اخلاق سوز وارداتیں ناقابل انکار طور پر ڈینور میں ہوتی تھیں۔ اور ابتک ہورہی ہیں۔ ڈینور میں ہی نہیں۔ بلکہ تمام ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ہر شہر اور گاؤں میں ہوتیں ہیں"۔

"میں غلطی نہیں کرتا اور نہ ہی میں ڈینور کے واقعات کی بابت غلطی کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ شہر اتنا برا نہیں۔ میرے خیال میں یہ شہر اس قدر آبادی اور وسعت کے لحاظ سے اور اسی نسبت سے میل جول کی تکالیف کے مقابلے میں دوسرے شہروں سے بدرجہا بہتر ہے"۔

اس جج کی رائے یقیناً درست ہوسکتی ہے۔ جسکو قانون نے ناپیدا شدہ بچوں کی حفاظت کا اختیار دے رکھا ہے۔ جسکا دامن حفاظت ان ہزاروں بدقسمت غیر منکوحہ خوردسال ماؤں کے لئے ہر وقت پھیلا رہتا ہے۔ جسکے چوتھائی صدی کے ذاتی تجربہ میں ہزاروں ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ جسکو ایسے اور ہزاروں واقعات کا علم ہے۔ کیا اسکی ایسے واقعات کی بابت رائے اور اعداد شمار کبھی غلط ہوسکتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔۔۔۔ اسکے برخلاف آپ اس سیاح کے علم کے صحیح ہونے کا اندازہ کریں جس نے تیس پینتیس کروڑ کی آبادی میں چند چلا چلی میں رہنے والے مہینے گذارے۔ اور جسکے قانون رسوم و رواج اور زبان سے وہ قطعاً نابلد ہو۔۔۔۔ کیا اسکا علم اور بنایا ہوا اندازہ درست ہوسکتا ہے۔ جج لینڈسے کی تحقیق شدہ حقیقت مس میو کے دریافت شدہ امور سے کہیں

زیادہ خوفناک ہے۔

چوتھا باب

خورد سال باپ

مس میو اپنی کتاب مدر انڈیا میں لکھتی ہے۔ "ہندوستان میں خورد سال بچے کی بلوغت کے متعلق بہت ہی کم سوچا جاتا ہے۔ عام حالات اور پبلک کی رائے بھی اُن کے قبل از وقت تناسلی کام کے شروع کرنے میں روک نہیں پیدا کرسکتے۔ حالانکہ اُس وقت خورد سال بچے میں میاں بیوی کے کام انجام دینے کی بہت ہی کم قابلیت ہوتی ہے۔ ہندو رسم و رواج میں یہ ضروری ہے۔ کہ ایک شخص کے ہاں بہت جلد حقیقی اور جائز لڑکا پیدا ہو کر باپ کی وفات کے بعد اُسکے مذہبی کام پورے طریق پر انجام دے۔ اور اپنے باپ کی وفات کے بعد چتا پر لیٹے ہوئے باپ کا سر پھوڑے۔ کہ وہاں سے روح پرواز کرتی ہے۔ مسٹر گاندھی نے لکھا ہے۔ کہ میں تیرہ سال کی عمر سے اپنی عورت کے ساتھ تناسلی کام انجام دے رہا ہوں۔ .... اب ہندوستان میں قدرے اس بات پر زور دیا جارہا ہے۔ کہ بچپن کی شادی درست نہیں۔ اور مقام شکر ہے۔ کہ ہندوستانی دلوں میں اس قسم کا احساس پیدا ہو رہا ہے"۔

مذکورہ بالا تحریر میں مس میو نے کچھ باتیں تو سراسر غلط تحریر کی ہیں۔ اور کچھ نیم غلط۔ اب میں غلط باتوں میں سے صحیح اور نیم غلط واقعات سے درست واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہوں۔

(مصنف فادر انڈیا)

یہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ کہ ہندو رسم و رواج اس بات کا مقتضی ہے
کہ ایک شخص کا جائز اور اصل و حقیقی لڑکا اُسکی وفات کے بعد مذہبی رسوم کے
مطابق اُسکے تمام کام سرانجام دے۔ مگر یہ تو سراسر غلط ہے۔ کہ چتا پر لیٹے ہوئے
باپ کے سر کو ٹھوکر سے توڑے۔ تاکہ اُسکی روح بہت جلد اُسکے جسم سے پرواز
ہو۔ دراصل اس فقرہ سے اُسکا مفہوم ہندو دھرم کے مردہ جلانے کی رسم کو
الزام دینا ہے۔ مغرب کے تعلیم یافتہ اصحاب مردہ کو قبرستان یا مرگٹ میں جلانے کو
بہت بہتر اور انسانی صحت کے قائم و برقرار رکھنے کیلئے بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔
مس میو کو چاہیئے۔ کہ گولڈرز گرین کے مردہ گھاٹ میں جاکر ملاحظہ کرے۔ کہ
کس طرح مغرب کے بڑے اور معزز اشخاص مرتے وقت وصیت کرتے ہیں۔
کہ مرنے کے بعد اُنکی لاش کو جلا دیا جائے۔ اور اُنکی یادگار اُسجگہ سنگ مرمر
پر کندہ الفاظ کیصورت میں چھوڑ دی جائے۔ یا اگر یہ نہ ہوسکے۔ تو اُس مقدس
دیوار پر جو اُسجگہ شاذ اسی مطلب کے مخصوص کیگئی ہے۔ چند حروف بطور یادگار
لکھے جاویں۔ میں نے ایک دن دی ٹائمز (ایک انگریزی اخبار) میں پڑھا۔ کہ
مرحوم لارڈ جارج ہملٹن جو کہ نہائیت مشہور اور ادبی دنیا کے مایہ ناز عالم تھے۔
گولڈرز گرین میں اُنکی لاش کو ہندوؤں کیطرح جلا دیا گیا۔ مردہ کو جلانیکی رسم
ہندوستان کے اندر مدت گذری برہمنوں کشتریوں اور ویش وغیرہ کے درمیان
رائج تھی۔ اور رائج کرنیوالوں نے یہ رسم آرین قوم کیلئے مخصوص کی تھی۔ اب
اگر مغرب کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اِسکا رواج ہو جائے۔ تو یہ ایک نہائیت افسوس
کا مقام ہے۔ کیونکہ اُنکی تہذیب میں مردوں کو زمین میں دفن کرنا اور دوائیوں

کے ذریعہ نعش کو سڑنے سے بچا کر رکھتا ہے۔ مگر ہندوستانی تہذیب مصر کی تہذیب جس میں کہ مُردوں کو ممیوں کی صورت میں رکھا جاتا ہے۔ بالکل الگ ہے۔ اور مردہ لاشوں کی اسقدر پرواہ اور حفاظت نہیں کیجاتی۔ جسقدر کہ مصر میں۔ قدیم آرین قوم نے مردہ نعشوں کو جلانیکی رسم کو اسلیئے رواج دیا۔ کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ارضی قیود سے آزاد ہو کر اُس وقت کے زندہ انسانوں کیلیئے کچھ کام نہیں کر سکتی۔ جو کام تھا۔ صرف اُسی وقت تھا۔ جبکہ وُہ جسم کے ساتھہ تھی۔ جو کچھ تھا۔ وُہ ناقابل فنا روح ہی تھی۔ جب وُہ نکل گئی۔ تو جسم بیکار ہے۔ دیگر جو مدر انڈیا کی قابل مصنفہ نے لکھا ہے۔ کہ چتا پر لیٹے ہوئے باپ کا سر بیٹا توڑتا ہے۔ یہ بات قابل مصنفہ کے علم میں کمی کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بات جو اُسکو معلوم ہوئی ہے تو گلیوں میں پھرنیوالے یا دریوں کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے ہندواور برہمنوں کے ذریعہ یہ بات اُس پر بالکل نہیں روشن ہوئی۔ اور نہ وُہ ویسا کرا اور کہہ سکتے ہیں۔ یہ صرف شریر وکمینہ اور ہندو دھرم سے عدم واقفیت رکھنے والے پادریوں سے ہی مس میو کو معلوم ہوا ہے۔

ہندو مردہ جسم کو اسلیئے جلاتے ہیں۔ کہ وہ مرگیا اور جسم کو زندہ رکھنے والی قوت اُس میں سے چلی گئی۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ کہ انسان مرگیا۔ مگر مرنے کے بعد اُسکی روح آزاد صرف اُسی وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اُسے جلایا جائے۔ مس میو ہر ہندو قوم کے لڑکے اس الزام میں ماخوذ کرنا چاہتی ہے۔ کہ وُہ زندہ باپ کو جلاتا ہے۔ مگر اسکے ساتھہ وُہ اپنے ہونیکی کو ظاہر نہیں کرتی۔ کہاںسے اور کیسے اُسکو یہ علم ہوگیا۔ کہ ہندو لڑکا اپنے باپ کا کھوپڑ توڑتا ہے۔ تاکہ روح آزاد ہوجائے۔ خیال کرنیکی جگہ ہے۔

کہ جب جسم جل گیا۔ تو لازمی ہے۔ کہ اسکے ساتھہ سر بھی جل کر ٹوٹ کر خاکستر ہو جائے
اور ہندو رسم کے مطابق نعش کا جلانا پورا ہو گیا۔۔ باپ کی تجہیز و تکفین میں
بیٹے کا صرف اس قدر حصہ ہوتا ہے۔ مذہبی پیشوا مردہ نعش کو مرگھٹ میں
لیجاتے ہیں۔ عزیز و اقارب باری باری کندھا دیکر اٹھاتے چلے جاتے ہیں اور
اسکے ساتھہ ساتھہ مقدس ویدوں کے الفاظ اور منتر با آواز بلند کہتے جاتے ہیں۔
سب میں سے بڑا مذہبی پیشوا پڑھتا ہے۔ اور بیٹا دہراتا جاتا ہے۔ اور یہ جو پڑھا
جاتا ہے۔ یہی دعا ہے۔ جو خدا سے مرحوم کی بخشش کیلئے کیجاتی ہے۔ امید ہے
کہ عقلمند اصحاب اس ہندو رسم کو سمجھ کر اسکو قدر کی نگاہ سے دیکھینگے۔
سر کو توڑنے کے کذب و افترا نے اس مردہ کو جلانے کی رسم کو نہ
ماننے والوں کے دل میں ایک نہائیت ہی برا اور حقارت آمیز جذبہ پیدا کر دیا
ہے۔ اب میں ذرا امریکہ کے زندہ اجسام کی ہجو کیطرف متوجہ ہوتا ہوں۔
ہمیں بتایا گیا ہے۔ کہ امریکہ کا ایک بچہ اسقدر چھوٹی عمر میں خاوند کے کام انجام
دینے لگتا ہے۔ جبکہ ابھی اسکے جسم میں اسکو پوری طرح نبھانے اور کرنے کی قوت
بھی نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ صحیح اور درست ہے۔ تو اس حالت میں اس بچے کے
لئے صرف ایک ہی لڑکی کافی ہوتی ہوگی۔ مگر مس میو کہتی ہے۔ کہ اسکے پاس ایک
عورت نہ دو اور نہ دس حتیٰ کہ پبلک اسکو اس قسم کی بالکل ہی اجازت نہیں دیتی۔
اور نہ وہ اس قسم کی بدعادات کا شکار ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ اور
دیگر اسی قسم کی باتیں قابل تسلیم نہیں۔۔۔۔۔۔۔ مسٹر گاندھی نے خود اعتراف
کیا ہے۔ کہ وہ شہوت پرست تھا۔ مگر باوجود شہوت پرست ہونیکے اس نے صرف
ایک بیوی پر اکتفا کی۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ چکلے بھی گیا۔ مگر اسکے

ضمیر نے اُسکے ارادے پر قابو پالیا۔ اور وہ اِس بدکام سے باز رہا۔ کیونکہ اُسکا ضمیر اصلی معنوں میں اسکی عورت کے حق کا امانتدار تھا۔ اور وُہ خیانت نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہی ایک پاک جذبہ ہے۔ جو ہر ہندو کو اسے بُرے کاموں سے باز رکھتا ہے۔ گاندھی نے اپنے نفس پر قابو حاصل کیا۔ اور اسی سبب سے وُہ اپنے اور بیگانوں میں ہر دلعزیز ہے۔ اُسنے غصہ اور شہوت پر قابو پالیا۔ گویا اُس نے اپنے جسم میں ایک ہی جگہ بندر اور شیر پر قبضہ کر لیا۔ متواتر کئی سال کی تپسیا کے بعد اُس نے اپنی تمام خواہشات کو اپنے ماتحت کر کے اُس نے اپنے آدمیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اور یہی ایک خوبی ہے جو مغربی انسانوں میں بہت کم ہے ایک انگریز شاعر کا قول ہے۔ اپنی آپ عزت کرنا۔ اپنے وجود کو پالینا اور اپنے حواس اور اپنی خواہشات پر ہی قابو پالینے سے انسان مکمل انسان بن جاتا ہے۔

اسلئے اُس انگریز شاعر کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے رشی اِس قسم کی زندہ مثال ہیں۔ اگر مس میو نے مسٹر گاندھی کی بابت کچھ غلط بیان کیا ہوتا۔ تو اِس صورت میں ہم ضرور اسکی تردید کرتے۔ مگر گاندھی خود معترف ہے۔

اب رہا کثیر الزدواجی کے متعلق سوال۔ ہندو دھرم کثیر الزدواجی کے متعلق اُسی قدر ہی اجازت دیتا ہے جسقدر کہ اسلام میں جائز ہے مسلمانوں کے اسلام میں یہ تعداد صرف ۴ تک محدود کر دی گئی ہے۔ مگر ہندو دھرم میں تعداد کو ایک حد میں نہیں رکھا گیا۔ تاکہ ایک حد کے مقرر کرنے سے کسی قسم کی خرابی نہ ہو دھرم اگر کسی کام کی اجازت دے۔ تو اسکے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ وُہ ضروری

اور واجب ہوگئی۔ بعض امور مذہب کی بناء پر ضروری ہوتے ہیں۔ مگر کثیر الزدواجی ایک ایسا حکم ہے۔ جس پر آدمی کو خود مختار بنادیا ہے۔ اور ہر ہندو اپنی مرضی کے مطابق جتنی شادیاں چاہے کرسکتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں۔ کہ بہت ہی بیویاں رکھے۔ اسکے برخلاف مذہب نے جن امور سے منع کیا ہے۔ وہ بالکل حرام ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں۔ کہ مشرق کی کثیر الزدواجی چونکہ یہ کھلم کھلا ہے۔ اور کھلی بات معیوب نہیں ہوتی۔ مغرب کی ایک بیوی سے شادی کرنے کی نسبت ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیونکہ مغرب میں درپردہ کثیر الزدواجی کے معاملات بہت ہوتے ہیں۔ جو شخص ایک بیوی رکھتا ہے۔ اور درپردہ بہت سی بیویاں بناتا ہے۔ وہ اُس سے زیادہ گنہگار ہے۔ جو عوام کے روبرو ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرتا ہے۔ میری اِس تحریر کی تائید طلاق کی کچہریاں بڑے زور سے کرتی ہیں۔ ہندوستان میں عورت طلاق کی خواستگار اُس وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اُسے گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ مغرب کی کتنی کمزور و نحیف عورتیں خاوند کی امانت میں خیانت کرتی ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اُنکا خاوند اُسکی امانت میں خیانت کر رہا ہے۔ اور عورتیں اسلئے اس فعل کے کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ کہ وہ اُن کو اچھا نہیں جانتا اور خرچ وغیرہ سے تنگ رکھتا ہے۔ اور وہ خواہ اپنے بچوں کے اخراجات کے لئے یا اپنی خواہشات کے رفع کرنے کیواسطے اِس امر اور فعل پر مجبور ہوتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ مغربی تہذیب اور طریق کے ماتحت تعلیم یافتہ ہندوستانی ننانوے ڈیسیمل نو فیصدی صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور 95 فیصدی اَن پڑھ آدمیوں کے پاس بھی صرف ایک ہی بیوی ہوتی ہے

امریکہ کے خوردسال باپ اپنے ذاتی بچوں کو اپنا قرار نہیں دیتے۔ خوردسال امریکن خاوند سوسائٹی کی شک میں نہیں بلکہ خدا کی نظر میں اور انسانی قانون کے ماتحت شادی شدہ نہیں ہوتے۔ مگر خدا کے قانون کے ماتحت وُہ بچوں کی پرورش کے حقدار اور شادی شدہ ہوتے ہیں۔ فاضل جج لینڈسے کیا کہتا ہے۔ "ہائی سکول کے لڑکے عموماً ہائی سکول کی لڑکیوں کی نسبت کم سوانگ بھرتے ہیں۔ لڑکی اپنا جال نہائیت عمدگی سے پھیلاتی ہے۔ حتیٰ کہ لڑکا اُسکے ساتھ رقص کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے"

ہندوستانی لڑکے کے سر یہ الزام تھوپا جاتا ہے۔ کہ وُہ ہمیشہ شکار کا متلاشی رہتا ہے۔ مگر مس میو کے ملک میں جہاں کی آزادی نہائیت ہنگامہ خیز ہے۔ سب سے پہلے لڑکی ہی لڑکے کو چھیڑتی ہے۔ اور یہ عمر قریباً گیارہ سال سے شروع ہوتی ہے۔ امریکن لڑکیاں انند تیز و تند ہوا کے ہیں۔ جن میں کہ لڑکے تنکوں کیطرح بے اختیار اڑتے پھرتے ہیں۔

خواہ لڑکے خود شکار ہوں یا شکار کھیلنے والے مگر یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے۔ کہ نوے فیصدی ہائی سکول کے طلبا کو فارغ التحصیل ہونے سے پیشتر ہی تناسلی اور میاں بیوی کے تجربات ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ جج موصوف کو سکول کے طلبا کے ذریعہ سے علم ہوا ہے۔ اُنکی قانوناً شادی نہیں ہوتی۔ مگر در پردہ وُہ لڑکیوں سے اس قسم کے تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وُہ خوفناک امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اِسکی شہادت جج صاحب کے الفاظ میں آگے مذکور ہوگی۔ مگر فی الحال میں خوردسال خاوند کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

نسبت فیصدی نوٹ کرنیکے قابل ہے! نوے فیصدی معتبر شہادتیں صرف لڑکوں کے ہی ذریعہ سے ملی ہیں۔ جج موصوف کہتا ہے۔ "میرا تجربہ ہے۔ کہ پچاس فیصدی ہائی سکول کے لڑکوں کی شہادتیں بالکل ناقابل انکار طور پر صحیح ہیں۔ اور جو مجھے انہیں کے ہی ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ میرے خیال عموم کی نسبت مس میو کے ملک میں نہائیت کثرت کے ساتھ پوشیدہ ازدواجی کام ہوتے ہیں۔ اب ہندوستان کے خوردسال باپ کی کیا کیفیت ہے؟ ..... اسکی نسبت فیصدی اونچی ذاتوں کی مردم شماری کے ذریعہ معلوم ہوسکتی ہے۔ جن میں اول برہمن پھر کشتری اور پھر ویش شامل ہیں۔ اور یہ غالباً تمام آبادی کا بیسواں حصہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں زیادہ تر آبادی شودروں کی ہے۔ سو اُن میں میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ بچپن کی شادی بالکل کالعدم ہے مگر یہ بالکل عام بھی نہیں ہے۔ جسقدر کہ طبقہ اولی میں۔ گاؤں میں بودوباش رکھنے والے مس میو کی تباہ و برباد کن قلم کی زد سے باہر ہیں جیسا کہ وُہ خود لکھتی ہے "ایک کاشتکار آدمی بوجہ اپنی دن بھر کی مصروفیت اور غریبی و مفلسی کے ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ مگر امیر شہری آدمی اور ذریعہ معاش وسیع رکھنے والے اِس قسم کے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُسی کی تحریر بتاتی ہے۔ کہ ہندوستان میں پانچ لاکھ گاؤں ہیں۔ دیکھئے مس میو ہندوستان کی زراعت پیشہ ہونے میں بھی انکار نہیں کرتی۔ اور خیال کرتی ہے۔ کہ ہندوستان برطانوی حکومت کے زیر اثر پہلے سے زیادہ خوشحال ہے۔ وُہ اِس سے بھی منکر نہیں کہ ہندوستان مغربی ممالک کی نسبت سب سے زیادہ غریب ہے۔ "ہندوستان بیچارا بہت غریب و نادار ہے"۔ وُہ کہتی ہے۔ اور اُس ہیں (ہندوستان کی)

سب سے زیادہ آبادی دیہاتیوں کی ہے۔

جو سب کے سب زراعت پیشہ ہیں۔۔۔۔۔ چونکہ وہ گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے دیہاتی اُس کے تمسخر آمیز تحریر سے بچ گئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوستان میں تعلیم یافتہ اور امیر لوگوں کی زندگیاں اسقدر پاک و بے عیب نہیں جسقدر کہ اَن پڑھ اور جاہل اشخاص کی۔ مگر لارڈ سڈنہیم اور دوسرے اصحاب کے پرمعنی فقرات کیا کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تعلیم یافتہ طبقہ تو تمام آبادی میں بہت ہی کم ہے۔

موجودہ تعلیم وتہذیب اور پاکدامنی خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ اِن کا ایک جگہ پہلو بہ پہلو چلنا نہایت مشکل ہے۔ مسٹر ریجرٹ میکڈانلڈ سے آپ اگر دریافت فرمادیں۔ تو وہ آپ کو یہی بتادینگے۔ کہ انگلینڈ کے مزدور پیشہ اشخاص کا اخلاق طبقہ اعلیٰ اور ادنیٰ سے کہیں زیادہ بڑھکر ہے۔ مسٹر لائیڈ جارج بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ طبقہ متوسط اگر روپے اور دولت میں نہ سہی تو اخلاقی دولت میں امرا سے بہتر ہے۔ امریکہ کی جمہوری سلطنت میں جہاں کہ آزادی اور برادرانہ حقوق میں سب برابر ہیں۔ سب کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا ہے۔

جج صاحب لکھتے ہیں۔ "نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تحقیقات سے یہ بات روشن ہوئی ہے۔ کہ گذشتہ سالوں میں بھی لڑکے ایسے ہی بدکار وعیش پرست تھے جیسے کہ آجکل ہیں۔ مگر اُس وقت یہ افعال ذرا پوشیدہ طور پر ہوتے تھے۔ مگر آجکل ظاہرہ ہو رہے ہیں۔ اور یہی ایک بات تھی جو اس کے قبل نہ تھی۔"

میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ یورپ کے اعلیٰ آدمی جج موصوف کے مذکورہ بالا تحریر کے آخری الفاظ پر کس طرح اتفاق کرینگے۔ لیکن جج صاحب کہتے ہیں۔ کہ مذکورہ بجائی لیعنی ظاہرہ طور پر بدافعالی کے زیادہ ہونیکا اصل واقع یوں ہے۔ کہ ہمارے ملک کے

نوجوان جنگِ عظیم سے واپس آئے۔ تو اپنے ساتھ اُن جذبات کا بھی کافی ذخیرہ لائے جن سے قبل اسکے وُہ ناآشنا تھے۔ کیونکہ انہوں نے دیگر براعظموں کا پانی پیا یورپ میں داخل ہوتے ہی اُن نوجوانوں نے اُن نئے جذبات کو اپنی درست عورتوں پر ظاہر کیا۔ اور اسطرح ایک ہ شکل اختیار کیگئی۔ جسکے ازالہ کیلئے آج یورپ کے اعلےٰ دماغ محوِ تجربہ ہیں۔ کبھی وُہ وقت تھا۔ جبکہ ایک نوجوان اور خوب صورت لڑکی ایسی باتوں کے اظہار کو اپنی ہتک کا باعث خیال کرتی تھی۔ اب وُہ ایسی باتوں سے انکار کرسکتی ہے۔ مگر ناخوش نہیں ہوسکتی۔ لڑکیاں اسقدر بگڑ چکی ہیں۔ کہ وُہ آدمی کی جماعی حرکت کو معلوم کرسکتی ہیں۔ کہ یہ اپنی اصل حالت پر ہے۔ اور یہ کمزور اور غیر صحیح۔ ایسی خوبصورت لڑکیوں کی اوسط فیصدی بہت ہی ناکارہ اور خراب لڑکیوں سے کم ہے۔

مس میو ایک ہندوستانی لڑکے کی کہانی بیان کرتی ہے۔ کہ کسطرح اُسکے باپ نے اُسکو چھوت وغیرہ سے اپنے آپ کو بچانا سکھایا ہے۔

"میرا باپ (ایک ہندو بیرسٹر کہتا ہے۔ جوکہ اپنے علاقہ میں نہایت قابل تسلیم کیا جاتا ہے۔) نے میرے بچپن کے زمانے میں بتایا۔ کہ کسطرح اپنے آپ کو چھوت سے بچایا جاسکتا ہے۔"

"کیا یہ اُسکے لئے بہتر نہ تھا" مس میو کہتی ہے۔ کہ میں نے پوچھا۔ "کیا اُس نے تمہیں زہد سکھایا ہے؟"

یہاں میں ایک امریکن نوجوان کی کہانی لکھتا ہوں۔ جسکو اُسکے والدین نے زہد سکھایا۔ کیا مس میو صرف ہندوستانیوں کو ہی بدنام کرنا جانتی ہے۔ جج لینڈ سے کہتا ہے۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ مجھے سنڈ

سے سکول کے سپرنٹنڈنٹ کے ہاں ضیافت کیلئے بلایا گیا - جو کہ وہاں کے طلبا میں سے ایک کا باپ تھا - محترم جنٹلمین اور معزز خاتون نے والدین کی لاپرواہی پر نہائیت بُرے الفاظ میں تقریر کی - اور مجھے یہ بتایا - کہ آجکل ان کا لڑکا سوزاک جیسے نہائیت خوفناک مرض میں مبتلا ہے - اُسکی اسقدر خطرناک حالت ہے - کہ وُہ سیدھا ہوکر نہیں چل سکتا - لڑکے سے پوچھا گیا - تو اُس نے بتایا - کہ ہم کھیت میں کھڑے تھے - کہ گھوڑے نے میرے یہاں دولتہ مارا - جس سے یہ مرض ہو گیا - والدین کو یہ بات ماننی پڑی -

مس میو ہندوستان میں ایک مجذوب سے ملی - جسکے ساتھ گفتگو کرکے اُس نے تمام قوم کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا ہے -

ایک معزز اور مشہور ہندو مجذوب - نے جسکے گرد ہر وقت شاگردوں کا مجمع لگا رہتا تھا - مجھ سے بیان کیا "سچ اور جھوٹ کو ایک ساتھ ملانیکا سوال نہیں جونہی کہ میں فراغت پاتا ہوں - فوراً بھول جاتا ہوں - اور یہ صرف اسلئے ہے - کہ میری عورت ناراض نہ ہو جائے - وُہ مجھ سے روشنضمیری میں قدرے کم ہے - اِس فعل کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے - اور ایسی باتیں صرف دنیا کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے ہیں" -

یہ معلوم کرنے کیلئے بہت ہی کم عقل درکار ہے - کہ اس فقیر نے امریکن سیاح کو دھوکا نہ دیا ہو - ہندوستان میں محیر العقول کام کرنیوالے فقیر بہت ہیں - مگر ان کے علاوہ دھوکے باز فقیروں کی بھی کمی نہیں - اِن میں ایسے فقیر بھی ہیں - جو کہ بالکل حرام زادے ہیں - انگریزی تعلیم یافتہ فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے ہوئے اس کے عوض میں تصوف اور فقیری کو حاصل کرکے لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے بیٹھ جاتے ہیں جب کوئی اجنبی اور خصوصاً سیاح اُن سے ملتے ہیں - تو وُہ بکواس شروع کر دیتے ہیں جس

سے اُن کو اِس کے تصوف میں رنگے ہونیکا یقین ہو جاتا ہے۔ اُن کا منتہائے نظر جنس لطیف ہے۔

مس میو قارئین کرام کو مجذوب کی زندگی کی بابت یقین نہیں دلانا چاہتی۔ لیکن اسکو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ایک ابابیل کی آمد سے موسم گرما نہیں آجایا کرتا۔

تاہم اُس نے اپنے تصوّف کے تجربہ کی بناپر نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے "مذکورہ بالا فقروں کا خاکہ کھینچنے کے بعد میری تحریر پر بہت ہی تھوڑا تعجب ہوگا۔ کہ ہندوستان کی سرزمین کے ایک سرے سے دوسری جانب تک ایک شخص جسکی عمر تیس سال ہو۔ اور اُسکے پاس اپنی خواہشات کو پورا کرنیکا سامان موجود ہو۔ بوڑھا ہے۔ اور اسکے علاوہ ہر دس اشخاص میں سات سے آٹھ تک جنکی عمر 5 ۲ اور تیس سال کے درمیان ہو نامرد ہیں"۔

ہندوستان کے لاکھوں نوجوانوں کیلئے یہ بات نامناسب ہے۔ بعض بوڑھے مگر جوانمردوں نے اپنی عمر کے پینسٹھویں سال میں شادی کی ہے۔ اور اس عمر میں بھی اُن سے خوبصورت اور تندرست و توانا اولاد پیدا ہوئی سر جج لینڈ سے ایک مجذوب کی نہیں بلکہ مس میو کے وطن کے ایک عملی شخص کی کہانی لکھتے ہیں۔

بہت ہی تھوڑا عرصہ ہوا۔ میں ایک ہائی سکول کے لڑکے سے ملا۔ جس نے میرے روبرو اعتراف کیا۔ کہ اُسکا تعلق ہائی سکول کی ۲۵ نوجوان لڑکیوں سے ہے۔ جن میں سے نصف کے قریب ابتک سکول ہی میں تعلیم پاتی ہیں۔ اُس نے مانند بازاری لڑکیوں کے ایک دوسرے پر فوقیت دیکر انتخاب کیا۔ میں نے اُس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور تجربتہً اُن لڑکیوں سے ملا۔ وُہ واقعی اچھی اور خوبصورت ہیں۔ اُس نے اُن کیساتھ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی لطف اٹھایا ہے۔ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی اعتراض کے بعد لڑکیوں نے رضامندی ظاہر کردی۔

یہ ایک بانئے فساد لڑکے کا حال ہے۔ لیکن امریکہ کی عوام حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمیشہ پہل جو ہوتی ہے۔ وہ لڑکیوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

پانچواں باب

تصاویر کا مقابلہ

مس میو کہتی ہے۔ کہ دیویاں (خدا کی عصمت فروش عورتیں بس میو) جو کہ مندروں میں پجاریوں اور زائروں کی حرص پوری کرنیکی غرض سے رکھی جاتی ہیں۔ وُہ نہائیت اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مس میو کے الفاظ لکھتا ہوں:-

"ہندوستان کے اکثر حصص میں اور خصوصیت کے ساتھ مدراس پریذیڈنسی اور علاقہ اڑیسہ میں یہ ایک رسم ہے۔ کہ اگر اُن کے گھر دوسرا بچہ لڑکی پیدا ہوتی۔ تو وُہ اس لڑکی کو خدا کی رحمت اور قرب حاصل کرنیکی غرض سے مندر کی دیویوں کی نذر چڑھا دینگے۔ بموجب اقرار کے والدین لڑکی کو مندر میں چھوڑ آتے ہیں۔ اور وہاں کے بزرگ دیورث اعلیٰ رسم کے مطابق انہیں ناچنا اور گانا سکھاتے ہیں۔ اکثر تو پانچ برس کی ہی عمر سے یا جب مناسب ہو۔ وُہ پجاری کی بیوی کا کام دیتی ہے"۔ اور اگر وُہ زندہ رہی۔ تو ہر روز وُہ مندر کی مورتیوں کے سامنے اپنا ناچ اور گانا کرتی رہی۔ اور یہ اُسکی روز کی عبادت میں شامل ہے۔ نیز مندر کے ملحقہ کمرے ہمیشہ ہر زائر کیلئے قیمت پر کھلے رہتے ہیں۔ جس میں کہ وُہ دورانِ زیارت میں باآرام رہ سکے ...... وُہ دیوی ہر روز نہائیت فاخرہ لباس میں جواہرات سے ملبوس عبادت کو جاتی ہے۔ اور یہ اُسکا روز کا معمول ہے

اور یہ اُس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جبتک اُسکا حسن فنا نہ ہو جائے۔ اسکے بعد وُہ خدا کی منتخب شدہ مہر کے ساتھ جسکے سائے میں وُہ ابتک رہی۔ عوام میں نکال دیجاتی ہے اور اُسکو کچھ تھوڑا سا روپیہ دیا جاتا ہے۔ اور اُسکو فقیرانہ زندگی بسر کرنیکے حقوق عطا کئے جاتے ہیں۔ اُسکے والدین جو کہ بہت معزز اور کھاتے پیتے بہت امیر ہوتے ہیں۔ اُنہیں اُسکے اس طریق پر مندر سے باہر نکالے جانے پر کچھ افسوس نہیں ہوتا۔ والدین کا عوام میں باہر نکلنا باعث صد افتخار خیال کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا طریق پر مندر سے باہر نکلی ہوئی عورت اور اُسکی قسم کی دیگر مستورات کو عوام دیویوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ دیویاں نہیں۔ بلکہ خدا کی عصمت فروش عورتیں ہیں۔ جو صرف مندر کیلئے ہی منتخب شدہ ہیں؟

میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں دیویاں ہیں۔ جیسا کہ مس میو کے الفاظ ہیں۔ مگر ہندوستان میں عصمت فروش عورتوں کی تو خود ایک جماعت ہے۔ یہ تو سراسر غلط ہے۔ کہ ان کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے ہوتا ہے۔ ایک بیوا کی ماں بیوا ہی ہو گی۔ اور اسطرح لڑکی کا عصمت فروش ہونا یقینی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ عصمت فروش عورتوں کا تعلق اعلیٰ طبقہ سے ہرگز نہیں۔

یہ خیال کہ نوجوان عصمت فروش لڑکیوں کو مندر کی فضا میں پالا اور پرورش کیا جاتا ہے۔ اصل میں اسکے یہ معنے ہیں۔ کہ اُن کے دل میں آہستہ آہستہ ایمان اور خدا کا خوف ڈالا جائے تاکہ وُہ آئندہ خدا کے خوف کو دل میں رکھتی ہوئی کوئی فاحشہ کام نہ کریں۔ اور دنیا میں ایمانداروں کی طرح ایک شخص کے گھر بیوی بن کر رہیں۔ اسلئے ہندوستان کی فاحشہ عورتیں سب سے زیادہ ایماندار اور خدا سے خوف کھانیوالی عورتیں ہیں۔ بدقسمتی سے یہ پیشہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے آگے بڑھئے اور دیکھئے۔ کہ امریکہ میں طلاق کی کچہریاں شادی شدہ مرد و زن کی بدکاریوں اور

بے ایمانیوں پر کس قدر روشنی ڈالتی ہیں۔ مگر ایک دیوی جو ایک شخص کی ملکیت میں رہتی ہے۔ اور جب تک وُہ زندہ ہے۔ دوسرے کے پاس جا نہیں سکتی۔ امریکن عورتوں کی نسبت کسقدر بہتر ہے۔ جو آج اگر ایک کے پاس ہے۔ تو کل دوسرے کے پہلو میں۔ اور اسطرح خراب عورتوں کی حالت کے خراب سے خراب تر ہونے میں بہت مدد ملتی ہے۔

ہندوستان میں لوگ تو اس بات کی فکر میں ہے۔ کہ لا علاج مرض کا علاج کیا جائے۔ سٹیٹ کونسل میں آنریبل رائم داس نیٹکو کردہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔ کہ مندروں میں اس دیوی کی رسم کو مٹایا جائے۔ اس نے ان دیویوں کی جماعت کو مخرب اخلاق قرار دیا ہے …… گورنمنٹ اس پالیسی پر کاربند ہے۔ جو کہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے پاس کی تھی۔ یعنی کسی مذہب میں دخل اندازی نہ کرے۔ مس میو کہتی ہے۔ خوفناک تجربات سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ کسی دیوی کی ہتک یا کسی ایسی مقدس ذات یا فرقہ پر حرف آنے سے خون کے دریا بہ جاتے ہیں۔ اور یہ کسقدر بیوقوفی کی علامت ہے۔ اسکو معلوم ہو کہ جو ایسا واقعہ ہوتا ہے۔ وُہ صرف اسطرح ہوتا ہے۔ کہ کسی نے ایک شریف اور بھلے مانس پر تہمت لگائی۔ اور اس جھوٹ کا نتیجہ آخر اس قسم کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ایک معزز اور شریف پر ایک زنا کی تہمت ہندوستان میں بہت ہی سخت جرم ہے۔ سوشل ریفارمر جو کہ ہندوستان میں کسی خراب رسم کی ترمیم کرنی چاہتا ہے۔ وُہ سب سے پہلے معزز اور عقلمند آدمیوں کی جماعت سے اجازت حاصل کرتا ہے۔ اور اس طرح وُہ نئی پود لگاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اقتصادی حکم کے ساتھ سیاسی طاقت بھی ملے۔ یا سیاسی اور اقتصادی حکم ایک ساتھ ہوں۔ اور اسکی یادگار مسٹر آنی

بسنت ہیں۔ جنہوں نے سالہا سال کی بے غرض محنت جو انہوں نے مذہبی اور
اقتصادی حالات کو درست کرنیکی غرض سے کی ہے۔ اور مدبرانِ ملکی کے سامنے
ہوم رول کو حاصل کرنیکی آواز بلند کی۔ اب ملک کے مدبر نے ذمہ اٹھایا ہے۔ وہ
بنیادی سوشل نقائص کے رفع کرنیکا منتخب شدہ پروگرام پیش نہیں کرسکتا کیونکہ
مجلس قانون ساز اسکی ذمہ دار نہیں۔ اور یہ تو صرف ناصحانہ ہے۔ موجودہ گورنمنٹ
ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے قوانین پر کاربند ہے۔ اور آگ کے کوئلوں سے کھیلنے کی کوشش
نہیں کرتی۔ جیسا کہ مس میو نے نہائت عمدگی سے کوشش کی ہے۔

سوشل ریفارمر کا جو کہ برائی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔ زاویہ نگاہ اسی قدر
ہے۔ کہ اعلیٰ اور راسخ الاعتقاد پنڈتوں کا ایک طریق اور قانون پر ثابت قدم
رہنا جس سے کہ ایک سوسائٹی کی بہتری ہو۔ بہت ہی افضل ہے۔ خواہ وہ گمراہ
ہی ہوں۔ مگر وہ اپنے خیال کے مطابق درست راہ پر گامزن ہیں۔ وہ کہتا ہے۔
کہ سوشل ریفارمر تا حال انگریزی تعلیم میں طفلِ مکتب ہیں۔ اسکی آرزو ہے۔ کہ ہندوستان
کو امریکن رنگ میں رنگ دیا جائے۔ میں اسکی تحریر کو پرزور بنانیکی غرض سے جج لینڈسی
کے الفاظ جو کہ اس نے امریکن اخلاق کی خرابی کے متعلق تحریر کئے ہیں۔ بطور ثبوت
پیش کرتا ہے۔ ہندوستان میں دیویوں کی جماعت امریکہ کی خرابی سے آدھی نسبت
پر خراب ہے۔ جج لینڈسے کہتا ہے۔ "نیویارک کے شہر میں قریباً پچاس ہزار
لڑکیاں اپنے خاوندوں کے علاوہ دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ وہ
لڑکیاں جو مائیں بن جاتی ہیں۔ تو اس صورت میں وہ اپنے بچوں کی نگہداری کا بار
اپنے سر بالکل نہیں لیتیں۔ کیونکہ بچوں کو ان سے سوسائٹی لے لیتی ہے"۔

ہندوستان میں بھی کس حد تک دیویوں کی یہی حالت ہے۔ کہ وہ اپنے

اصل خاوندوں کے ساتھ نہیں رہتیں۔ مگر دیویوں کا یہ حق ہے۔ کہ وُہ بچوں کو اچھے اور اعلیٰ طریق پر بہت اچھی طرح پرورش کرے۔ بچہ پیدا ہونیکے بعد دیوی اس کام کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور بچہ کے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ یا بچے کے والد کی عورت ہو کر اسکے گھر میں یا اپنے گھر میں رہنا شروع کر دیتی ہے۔ اِس بات کا فیصلہ میں غیر جانبدار قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ کہ ہندوستان کی حالت جس پر مس میو نے رنگ چڑھایا ہے۔ بہ نسبت امریکہ کی حالت کے کس قدر خوفناک ہے۔ جس کا اظہار ایک نہایت تجربہ کار جج نے کیا ہے۔ میری رائے میں مس میو کی تحریر کردہ حالت جسکی بابت میں چیلنج دیتا ہوں۔ کہ وُہ غلط بیانی پر مبنی ہے۔ وُہ انکشافات جو اس جج نے کئے ہیں۔ کس قدر صحیح ہونگے۔ چونکہ مس میو کے بھی ملک کا باشندہ ہے۔

دوسری غلط بیانی جو مس میو نے کی ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ ہندوستانی لڑکیاں عموماً بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔ اور جسکا حوالہ گذشتہ ابواب میں دیا جا چکا ہے۔ اُس نے جلدی بالغ ہونیکے بہت سے اسباب بیان کئے ہیں۔ کہ گھروں میں شہوت کو ابھارنیوالی باتیں کیجاتی ہیں۔ آلہ تناسل کی پرستش کیجاتی ہے۔ اور سروں پر اسی کی قسم سے قومی نشان رکھے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس میں قریباً آدھا کذب بھرا ہوا ہے۔ ..... آؤ ہم امریکہ کے اعلیٰ خاندانوں کی حالت کا ملاحظہ کریں۔ جنکی پرورش بہت عمدہ طریق پر ہوئی ہے۔ اور جہاں مس میو کے قائم کردہ اسباب خواب میں بھی نہیں آسکتے۔

جج موصوف اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

"313 لڑکیوں میں سے 265 لڑکیاں 11 اور 12 برس کی عمر میں بالغ ہوئیں۔ اُن میں سے اکثر گیارہ اور بارہ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ 313 لڑکیوں کو

بت و تصاویر مخش - غرضیکہ تمام ہندوستانی زندگی ہی مخش ہے - اور اُس کا منشا
یہ دکھانا ہے - کہ تمام ہندوستانی مذاق ہی شہوانی ہے ۔"

مذکورہ بالا تحریر میں مس میو نے دیوان شام لال کے ساتھ نہایت غیر منصفانہ
سلوک کیا ہے - جو کہ لیجسلیٹو اسمبلی کا نہایت روشن رکن ہے - جس کی
فصاحت و بلاغت کا سر فریڈرک وائٹ نے اعتراف کیا ہے - کہ وہ اپنے ملک
کے افراد میں ایک ہے - دیوان موصوف کی کتابیں سر فریڈرک وائٹ نے
نہایت دلچسپی سے جو کہ مذہب کے متعلق تھیں - پڑھیں - اور اسی لئے اُس نے
یہ رائے قائم کی - مذہبی اصلاح کے ساتھ مذہب کے بارے میں زہر اگلا جاتا ہے
مگر ملک میں ایسے بھی افراد ہیں - جو قانون کی پڑتال کو پامال کرتے ہیں - اُن کی
کوتاہ نظری کی توسیع میری تشریح کر سکتی ہے - آؤ دیکھیں - کہ اس مضمون پر
مخ لیشہ نے کیا رائے کا اظہار کیا ہے -

"پڑتال اور حیا پیچ ایک سا فرقہ ہے - کہ جس سے پبلک کو بہ اوقات دل ہلا دینے
والے خطرناک حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے - جو کہ آجکل اخبارات وغیرہ میں کثرت
سے ہے - یہ پڑتال سکول کی تاریخوں میں سے ایک ہے - جو امریکن انقلاب
کی بابت بالکل سچ کا اظہار کرتی ہے - ایسی کتابوں کا مقصد تو یہ ہے - کہ جنس
لطیف کے روپ کو اصل رنگ میں پیش کیا جائے ۔"

بہت سی ایسی کتب ہیں - جو خراب مقاصد کیلئے لکھی گئی ہیں - اور کیا یہ ایسی
حالت میں کسی کے اخلاق پر برا اثر نہ ڈالینگی - اور اخلاق سوز ثابت نہ ہونگی ۔"

"نوجوانوں میں جنس لطیف کے متعلق تعلیم کا دینا ہی اس تمام خرابی کا ازالہ
کردے گا - اور اس حالت میں روشن خیال پبلک کو کسی قسم کی جانچ اور پڑتال

کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ اور وہ خود اسی حالتوں کی پڑتال کرلیا کریگی۔ کیونکہ پہلے ہی سے اُن کو علمی دائرے میں یہ بات صاف بتادی گئی ہے۔ مگر ہم اسکی جگہ جہالت کی خرابی کو چھپا کر درست کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔"

"اِسکے علاوہ اور بہت سی ایسی کتب بھی ہیں۔ جن میں معمولی طور پر منع کردہ مضامین ہیں۔ مگر سوسائیٹی میں انکی قدر ناقابل انکار طریق پر ہے۔ وہ نابالغ طلباء کے لئے شائع نہیں کی گئیں۔ اور اسکے لئے پڑتال کی ضرورت نہیں۔ اس کیلئے اس امر کی ضرورت ہے۔ کہ اُن نابالغوں کو ایسی کتب کی دید سے باز رکھا جائے ایسے مقاصد کیلئے ان صداقت آمیز ذرائع کو مسدود کرنا سوسائیٹی کیلئے نقصان رساں ہے۔"

"اِن مقاصد پر پرانے زمانے کی کوئی ایسی مستند تصنیف نہیں ہے جس نے موجودہ زمانہ کے پڑتال کے قوانین کو از سر نو زندہ کیا ہو۔ ایسی تصنیف شیکسپیر نے بھی ڈوکریسی کے بھگا لیجانے اور وینس و ایڈونس کے بعد کبھی نہ لکھی ہوگی۔"

میں نے ڈوکریسی کے بھگا لیجانیکی ایک غیر معمولی تصویر باٹ سٹڈم بیلیس میں دیکھی۔ جو کہ میرے راہنما نے دکھائی تھی۔ جسکو دنیا کے ایک مشہور نقاش نے بنایا تھا۔ واقعی یہ فنِ نقاشی کا ایک قابل ستائش نمونہ تھا۔

ہندوستان کی خوردسال بیواؤں کا حوالہ دیتے ہوئے مس میو سند کے طور پر مہاتما گاندھی اور لالہ لاجپت رائے کو پیش کرتی ہے۔ مؤخرالذکر ایک نہایت پختہ کار آزمودہ سوشل ریفارمر ہے۔ جو امریکہ میں قریباً دس سال تک رہا ہے۔ اور نکتہ چینی کرتی ہوئی لکھتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنا جوانی کا عالم کسقدر شہوت انگیز فضا میں گذارا ہے۔ کوئی شخص اُسکی اِس عبارت کو پڑھکر اور سوچکر ہرگز صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ مہاتما گاندھی نے اسکی تحریر حوالہ اور نتیجہ کو دیکھ کر

تردید کردی ہے۔

کچھ بھی ہو۔ مگر یہ بالکل غلط اور سراسر غلط ہے۔ کہ ہندو بیوائیں سوسائیٹی کیلئے سخت خطرناک اور تباہ کن ہیں۔ یہ کسقدر ناقابل عفو پاگل بنا دینے والا اور کمینہ جرم ہے۔ کہ اگر ہم یہ کہیں۔ کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بہت سی ننیں ایسی ہیں۔ جو خطرناک اور خراب ہیں۔ اور جن کے واقعات خراب صورت میں آشکارا ہوتے رہتے ہیں۔ ہندو بیواؤں کا مشرق میں ایسا ہی ماحول ہے۔ جیسا کہ مغرب میں ننوں کا۔ ہر دو برا غلطوں میں اُن کے قیام و روزی کے ایک ہی جیسے حامی ہیں۔

بیچ لینڈ سے اپنے ملک کی شادی اور طلاق کی کیفیت لکھتا ہے۔ اسلئے ہمدرد شائد پڑھنے کے قابل ہیں۔ ڈینور کے نصف مغربی شہر میں ۱۹۲۲ء کے دوران میں ایک شادی کے لئے ایک طلاق ہوئی ہے۔ شادی کے لئے دو ملکی کردہ اجازت کے ہمراہ ایک طلاق نامہ کی درخواست بھی فائل کی گئی۔

بیچ لینڈ سے کہتا ہے۔ تمام ملک کے بڑے بڑے شہروں کی نسبت ڈینور کوئی زیادہ خراب نہیں۔ طلاق کی نسبت حد شمار سے تجاوز کر چکی ہے۔ پانچ سال قبل چار شادیوں میں ایک طلاق تھی۔ مگر اب دو سے چار ہے ۱۹۲۲ء کے دوران میں ۱۵ دسمبر تک کل ۵۹۰۸ شادیوں میں سے ۲۹۲۸ طلاق نامے فائل کئے گئے۔ اس لئے شادیوں میں طلاق ۴۹۰۵ کی نسبت سے ہوئی۔

ذیل میں طلاق نامہ اور شادی کی نسبت جو ۱۹۲۴ء میں رہی درج کی جاتی ہے۔

نام شہر	تعداد شادی	تعداد طلاق
اٹلانٹا	3350	1845
لاس انجلس	16605	7882
سنٹ لاس شہر	4821	2400
ریاست اوہیو	53300	11885
ڈینور ریاست	3000	قائل شدہ 1500

جب کوئی دیکھتا ہے۔ کہ مس میو کے لکھے ہوئے حالات اسقدر رقت انگیز نہیں۔ جسقدر کہ اُسکے اپنے ملک کے حالات جو کہ جج لینڈ سے نے لکھے ہیں۔ تو اسکے دل میں قدرتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اُسکی زبان سے دفعتہً یہ فقرہ نکل جاتا ہے۔ دُوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے۔ مگر اپنی آنکھ کے شہتیر پر بالکل دھیان نہیں۔ اسلئے ہر شخص کو لازم ہے۔ کہ اپنی ہی دہلیز سے ٹھوکر نہ کھائے۔ سب سے پہلے اپنے نقائص کو رفع کرے۔ جب وُہ بالکل رفع ہو جائیں۔ تو اسکے بعد وُہ دوسرے کی خامیوں کو پکڑنیکا حقدار ہو سکتا ہے۔

چھٹا باب

عورت اور پردہ

امریکن سیاح صرف بدگوئی کیلئے ہی آئی ہے۔ وُہ عورتوں اور مردوں کی چیخ پکار پر ہنستی ہے۔ وُہ کوشاں ہے۔ کہ تمام کے قلوب پر یہ نقش کیا

جائے۔ کہ ہندوستانی مستورات پردہ اور چار دیواری کی حدود میں غلام بناکر رکھی اور مقید کی گئی ہیں۔ ہندوستان کی قدیم کتب کا حوالہ دیکر وہ ہندوستانی مستورات کے پردہ میں رہنے کو بے وقوفی اور ناانصافی سے تشبیہ دیتی ہے واقعی پردہ ایک ناممکن الحفظ شے ہے۔ کوئی فرد نہیں کہہ سکتا۔ کہ پردہ سے حفاظت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کہ پردہ میں رہنے والی عورتیں غلاموں سے بدتر ہیں۔ اِس حال میں بھی عورتیں امورِ خانہ داری میں ملکہ کا سا درجہ رکھتی ہیں۔ اور حالات کے ماتحت مانند مغربی عورتوں کے ورزش میں کسی صورت میں بھی کم نہیں۔ علاوہ اِسکے تمام ہندوستانی مستورات پردہ میں نہیں رہتیں۔ جس شخص نے بھارت ماتا (مدر انڈیا مصنفہ مس میو) کو پڑھا ہوگا۔ وہ یہی خیال کریگا۔ کہ یہ مہیب خوفناک رسم تمام ہند میں پھیلی ہوئی ہوگی۔ مگر اصل حالات کیا ہیں؟۔ پردہ گاؤں کی نسبت قصبوں اور شہروں میں اور ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں میں اور نصف شمالی ہند میں زیادہ ہے۔ جنوبی ہند کے ہندوؤں میں پردہ بالکل نام کو نہیں۔ مالابار میں عورتیں مغربی عورتوں سے نسبتاً زیادہ حقوق رکھتی ہیں۔ وراثت مردوں کے نہیں بلکہ عورتوں کے حصہ میں آتی ہے۔ مالابار میں ماں کا باپ کی نسبت حق زیادہ ہوتا ہے۔ ملائی عورتوں کی آزادی دیکھکر مغربی عورتیں آتشِ رشک میں جلنے لگتی ہیں۔ ملایا کی مستورات آزادی کی حدود پر پابند اور نہایت عمدگی سے آزادی کے اصولوں پر کاربند ہیں۔ مگر ہوشیار کنندہ مس میو کہتی ہے۔ کہ اگر کوئی ہندوستانی عورت ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جائے تو ضرور وہ کسی کی شہوت رانی کا شکار ہو جاتی ہے۔ آدمی انسانی لباس میں شیطان ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس نتیجہ پر کیسے پہنچی؟۔ وہ چند خورد سال طالبعلم لڑکیوں سے

ملی - لڑکیاں اسقدر چھوٹی اور نادان تھیں - کہ وُہ آدمیوں کے متعلق کوئی اپنی رائے قائیم نہ کرسکتی تھیں - مس میو نے اُن سے کہا - کہ کیا تم گاؤں میں اکیلی ہوکر جا سکتی ہو - خورد سال لڑکیوں نے جنکی تمام عمر قصبوں میں ہی گذری تھی - اور جنہیں یہ وہمات ڈالے گئے تھے - کہ باہر نکلنے سے جن بھوت پریت پکڑ لینگے - کہا - توبہ توبہ ہم ہرگز باہر جانیکی جرأت نہیں کرسکتیں - مس میو کہتی ہے - کہ انہوں نے کس جرأت سے کہا - کہ ہم سے وُہ یعنی آدمی اپنی شہوت پوری کرینگے - اور کہتی ہے - جہاں تک آدمی کا زور لگتا ہے - ہندوستانی عورتوں میں بچہ پیدا ہونیکا زمانہ بغیر کسی خاص حفاظت کے محفوظ قائیم نہیں رہ سکتا - غور کا مقام ہے - کہ اِس پر بھی سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں عورتیں میدانوں اور گاؤں میں کام کرتی ہیں - وُہ جنگلوں میں لکڑیاں اور گھاس کاٹنے کی غرض سے جاتی ہیں - اعلیٰ طبقہ کی مستورات اپنے کام کی دیکھ بھال کیلئے بغیر حفاظت کے ہرگز باہر نہیں جاتیں - اُن مقامات پر جہاں کہ پانی کی قلت ہے - عورتیں تنہا دور کے کنوؤں اور ندیوں سے بلا خوف وخطرہ پانی لاتی ہیں - مشرق کے آدمی مغرب کی طرح بہت شوقین مزاج نہیں ہیں - اگر کوئی ہندوستانی سیاح شکاگو نیویارک اور سین فرانسسکو کے درجنوں زنا بالجبر کے مقدمات جو کہ خورد سال لڑکیوں سے ہوئے - یکجا اکھٹے کرے - تو اُس پر بلا عذر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے انسانوں کے اخلاق کا پردہ فاش ہو جائے - بفرضِ محال مس میو کا کہنا مان لیا جائے - کہ ہندوستانیوں کا مذہب ہی زنا کرتا ہے - تو اِس صورت میں ہندوستان کے جیلوں میں لاکھوں کی تعداد میں مجرموں کے ہونیسے بالکل جیل خانے بھر جانے چاہئیں - ہندوستان کے مرد وزن ہر اور سمندر میں - دریاؤں میں اور آبادی کے قریب

والے تالابوں میں ایک جگہ غسل کرتے ہیں۔ کوئی ہندو ایسا نہیں ہے۔ جو صبح
اٹھ کر منہ ہاتھ نہ دھوتا ہو۔ اور اپنا روزانہ کا غسل نہ کرتا ہو۔ ایک مشرقی جسم کا
عورتوں لڑکوں اور لڑکیوں کو برہنگی اور آستینوں میں بیجا غسل کرتا ہوا دیکھتا
ہے۔ تو اس پر کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو ہمیشہ ہندوستان جیسی ہی حالت ہے۔
مگر صرف الگ۔ نئے نئے والوں کے رنگ کا فرق ہے۔ ہندوستان کے پرانے ہندو بڑے اور
میلے کوشش ہیں۔ جن میں عورتیں مانند زیور کے ہیں۔ اور آدمی تو خود آن کی
طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

اصلی معنوں میں تعلیم یافتہ مہذب آدمی ہرگز پردہ کو لعنت نہیں قرار دے سکتا۔
پردہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے وقت سے آیا ہے۔ اور یہ اب
تک شمالی ہند میں پایا جاتا ہے۔ اس میں تمام ذمہ داری لوگوں کی ہی ہوتی ہے۔
صرف تعلیم ہی ایک ایسی شے ہے۔ جو ہر شے کی تاریکی کو روشن کر سکتی ہے۔ وہ
روپیہ جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کیلئے چاہیے تھا۔ وہ بیہودہ فضولیوں پر صرف
کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر تھوڑا سا روپیہ باقی بچا۔ تو اس سے لوگوں
کی حالت کیسے روشن ہو سکتی ہے۔ اور قومیں کیسے ارتقا کے منازل پہنچ سکتی
ہیں۔ مسٹر ایچ۔ ایم۔ ہنڈمین کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

"کہنے کو تو کہا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان انگریزی اقتدار کے ماتحت ہے مگر
تمام سالانہ آمدنی میں سے ہم صرف ایک پینی فی کس تعلیم کیلئے خرچ کرتے ہیں اور
تمام آبادی کا ایک فیصدی حصہ سکولوں میں جاتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے
ترقی برائے نام ہی رہی ہے۔ روس کے ملک میں جو کہ بہت ہی غریب اور
دنیا کے دیگر ممالک سے ابھی بہت پیچھے ہے۔ ساڑھے سات پینس فی کس

تعلیم کیلئے خرچ ہوتے ہیں۔ اور بچے جو سکولوں میں جاتے ہیں۔ آبادی کا چوتھا
اور پانچواں فیصدی حصہ ہیں"۔

مگر امریکن مصنفہ کہتی ہے۔ کہ ہندوستانی تعلیم کیلئے روپیہ صرف کرنے
پر رضامند نہیں۔ رضامندی تو درکنار پیسہ دے ہی نہیں سکتے ..... جب کوئی
ہندوستانیوں کی آمدنی دیکھتا ہے۔ تو بھارت ماتا کے اخراجات دیکھکر انگشت
بدنداں رہ جاتا ہے۔ مسٹر ہنڈمین کہتا ہے۔ لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں
کی آمدنی کا اندازہ دو پونڈ سالانہ سے زیادہ نہیں لگایا۔ ایک اور انگریز کا
تخمینہ ہے۔ کہ ہندوستان کے کاشتکاروں کی ایک شلنگ اور چھ پنس
اوسط آمدنی ہے۔ بس یہ ہندوستانیوں کو بجائے زندگی کے تعلیم اور
آسائش زندگی سے محروم کرتی ہے۔ اسپر دیگر عادتوں کے بیہودگی میں
بیرونی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہندوستان میں ہرسال درمیانہ طبقہ کے ہزاروں
تعلیم یافتہ آدمی یونیورسٹیوں سے فراغت پاکر بیکاری میں اضافہ کرتے ہیں۔
درمیانہ طبقہ میں یہ بیکاری روز بروز ایک نئی مصیبت میں اضافہ کر رہی ہے۔ اور یہ
سیاسی بے چینی میں کوئلوں پر تیل کا کام دے رہی ہے۔

ہندوستانی تعلیم کے اسقدر گراں مگر آسان ہونیکے باوجود اسقدر جہالت
کی تاریکی میں غرق ہے۔ ہندوستان میں لوگ زمانہ تاریخ سے گاؤں میں رہتے
ہیں۔ کیا ڈیڑھ سو برس کی برطانی حکومت نے ہندوستان کی حالت درست
نہ کی؟" میرے وطن میں برطانیہ ایک سو سال سے کیا کر رہا ہے۔ کہ اب
تک اسکی وہی حالت ہے؟۔ امریکن سیاحہ سے ایک جنٹلمین نے دریافت
کیا۔ جو کہ معتقد نہ تھا۔ بلکہ گورنمنٹ کا نہائیت جان نثار اور ہندوستان میں

اعلیٰ شخصیت کا آدمی تھا۔ دریافت کیا۔

مس میو ہندوستانی مستورات کے بزدلانہ طرائق پر غور کر کے نہایت خوش ہوتی ہے۔ اور اُن میں سے پردہ میں رہنے والی جماعت پر پھبتیاں اڑاتی ہے۔ وُہ ہندوستانی اشیاء کو امریکن عینک سے دیکھ کر اپنی نادانی کا اظہار کر رہی ہے۔ ..... اگر کوئی شخص الگ تہذیب کے ماتحت مدتِ مدید تک رہنے والے انسانوں کی زندگی اور حالات کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ تو اُسے چاہیئے۔ کہ پہلے انصاف اور صداقت کی مشق کرے۔ ایک زاہد نے کسی خانقاہ کے بزرگ سے دریافت کیا۔ "یہ کیا بات ہے۔ کہ مجھے ایک مافوق الفطرت ہستی تنگدل اور سنگی ہونے نہیں دیتی" اسکے جواب میں بزرگ نے حقارت آمیز مگر ایماندار لہجے میں کہا۔ "مافوق الفطرت ہستی مت کہو۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ میں خود تنگدل اور سنگی ہونا نہیں چاہتا" یہی حالت امریکن مصنفہ کی ہے۔ جس کے ماتحت اُس نے اپنے خیالات کو قلمبند کیا ہے۔

ساتواں باب

ہندوستانی مستورات حقیقی واقعات

بنگال میں کالی دیوی کے مندر میں بکرے کی قربانی کے متعلق مس میو نے نہایت خوفناک تصویر دکھائی ہے۔ اور اسکے بعد وہ نہایت برے بہتان کی جانب بڑھتی ہے۔ میں نے ہندو استری کے متعلق ایسا کبھی نہیں پڑھا۔

مس ہو لکھتی ہے ۔

" قربانی کرتے وقت خون فوارے کیطرح فرش اور گھڑیال پر جا پڑتا ہے ۔ جو کہ کالی دیوی کے سامنے ہے ۔ اسی اثناء میں اُسی وقت ایک عورت جو کہ قربانی کرنیوالے کے عقب میں کھڑی ہوتی ہے ۔ فوراً فرش پر گرے ہوئے خون کو اپنی زبان سے چاٹتی ہے ۔ اسلئے کہ دیوی اُسکو بچہ دیگی ۔ ..... کالی کے پجاریوں میں ہر قسم اور ہر طبقہ کے ہندو شامل ہیں "۔

کلکتہ کارڈ سپور مسٹر سین گپتا بیرسٹر ایٹ لا نے ایک پبلک میٹنگ کے دوران میں اس قابل الزام تحریر کی رُد سے تردید کردی تھی ۔ انہوں نے کہا ۔ کہ بکرے کی قربانی تو بالکل درست ہے ۔ مگر یہ کہ عورت بچے کی امید پر خون چاٹتی ہے ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ رہا بکرے کی قربانی کا سوال ۔ سو ہندوستان میں زندگی کے ہر شعبے میں مذہب ہی کا نفوذ ہے ۔ باورچی خانہ بالکل ندارد ۔ قربانی صرف اس غرض سے دیجاتی ہے ۔ کہ دیوی اور دیوتا ہماری عبادت کو قبول کریں ۔ اور خوش ہوں ۔ امریکہ میں حیوان بلا کسی پڑھنے کے کاٹے جاتے ہیں ۔ میں ایک برہمن مہاراجہ کو جانتا ہوں ۔ جو ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کھایا کرتا تھا ۔ مگر قبل اسکے کہ وہ گوشت کو کھانا شروع کرے ۔ وہ ہمیشہ پوچھ لیا کرتا تھا ۔ کہ ذبح کرتے وقت پڑھا گیا تھا ۔ یا نہیں ۔ اسلئے کہ پڑھنے سے ذبح کردہ حیوان کی روح کی فضیلت ہو جاتی ہے ۔ ہندو دھرم کے مطابق حیوان بھی روح رکھتے ہیں ۔ اسلئے گوشت خور اصحاب مذہب اور ضمیر کے مطابق یہ غور کریں ۔ کہ انکی نجات کیلئے کچھ نہ کیا جائے ۔ یاد رہے ۔ کہ ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے ۔ جہاں گوشت کے نہ کھانے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں ۔

مس میو نے کتاب شروع کرتے ہی کالی گھاٹ کی قربانی کے متعلق جو طرز اختیار کی ہے۔ وہ منحرف کرنیوالی ہے۔ غریب بکرے کی قربانی واقعی بری رسم ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے ہندو اس رسم کے قائل نہیں۔ جیساکہ وہ خود تسلیم کرتی ہے۔ کہ وہ تو وشنو کے پیرو ہیں۔ اُس کا یہ کہنا کہ کالی کی قربانی اور نذر کرتے وقت عورت بچہ کیلئے بکرے کا خون اپنی زبان سے چاٹتی ہے۔ اُس کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بانجھ پن کیلئے ہندوستانی مستورات کسقدر قبیح فعل کی مرتکب ہوتی ہیں۔ بلیہ آئی نسفت یہ کہتی ہیں۔ کہ مس میو نے یہ نہ لکھا۔ اور شاید نہ جانتے ہوئے لکھا۔ اسلئے اُس کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ کالی کے ماننے والے خونی قربانی میں ہرگز حصہ نہیں لیتے۔ جبکہ ایسی قربانیاں انگریزی راج میں ہونے لگیں۔ تو ٹرانکور کی حکومت نے فوراً بند کردیا۔ ایک اور مرتبہ اسی طرح کا ہندوستانی کونسل میں سوال اُٹھا۔ کہ آپس میں رضامندی ہو جائے۔ مگر گورنمنٹ نے اس سوال کو باطل کردیا۔ آپس میں صلح کی ہی سدباہ ہوئی۔ اور یہی آزادی کی ضروری تعلیم تھی۔ ہندوستان کے لئے یہی پاس ہو گیا۔ اور صلح کن مجلس قانون ساز نے ہی رائج کردیا۔ کہ قربانی بند نہ کیجائے۔ ہمیں ہندوستان کے اس قربانی کے بند کرنے کیطرف رجوع ہونا چاہئے۔ جبتک بیرونی ممالک کے گوشت خور ہندوستان میں ہیں۔ اور اُن کے ذبح خانے کھلے ہیں۔ اُس وقت تک وہ قربانی کو کیسے بند کرسکتے ہیں۔ جو کہ انکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہیں۔

مس میو کی کتاب۔۔ جوں جوں پڑھو۔ زیادہ ہی مکروہ اور عیب جوئی بھری نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنفہ کو منظورِ نظر صرف گندگی ہی ہے۔ کیا کبھی اُس نے موجودہ تہذیب کو نظر انداز کرکے کوئی ۹ ہزار برس کی تہذیب پر بھی نظر

دوڑائی ۔ جبکہ مثلیث کا سلسلہ تھا ۔ جبکہ ہندوستان میں ہندو دھرم نہائیت اعلیٰ شان پر تھا ۔ جبکے بعد ہندوستان نے خود ہی اپنا گلا گھونٹ لیا ۔ اب بھی ہندوستان کا مستقبل نہائیت شاندار نظر آ رہا ہے ۔

ایلیہ مسٹر بسنت حیوانی قربانی کے خلاف ہیں مس میو بھی اُن کی ہمنوا ہے ۔ مگر مس میو تو اس قربانی میں سب ہندو جماعت کو شریک کرتی ہے ۔ حالانکہ یہ ایسا نہیں ۔

ہندو بیواؤں سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے ۔ اس کی بابت مس میو اپنی کتاب میں ۔ میں مس کار نیلیا سوراب جی کے تحریر سے نقل کر کے لکھتی ہے ۔ غور کیجئے ۔ اسکے نام سے ہی اسکے خیالات کا اظہار ہو جاتا ہے ۔ نام ہے مس کار نیلیا پارسی عیسائی معلوم ہوتی ہے ۔ اگر وہ حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی اُس پالیسی پر نظر کرتی ۔ جو انہوں نے غیر ہندوستانیوں کیلئے منظور کی تھی ۔ تو ہرگز یہ غلط خیالات اپنی کتاب میں نہ لکھتی ۔ مس میو اگر خود چاہتی ہوتی ۔ کہ ہندو بیواؤں کے حالات معلوم کرے ۔ تو بجائے پارسی عیسائی کے وہ اچھے ہندو گھرانوں میں جاتی ۔ اور بچشم خود حالات کا ملاحظہ کرتی مس کار نیلیہ کی کتاب سے جو عرصہ ہوا ہندوستان میں شائع ہوئی بند ہو چکی ہے ۔ حالات بڑھا کر اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر ہندو بیواؤں کی حالت ذیل کے الفاظ میں رقم کرتی ہے ۔

"خاوند کی وفات کے وقت سے لیکے آخری دم تک وہ شرم میں اپنے گناہوں کا کفارہ دیتی رہتی ہے ۔ اپنے ہر خیال کی غلام اپنے روح کی تازگی اور خدمت کیلئے تکلیف اٹھاتی اور اپنی قربانی کرتی رہتی ہے ۔ خواہ وہ تین سال کا بچہ ہو ۔ اور یا اصلی معنوں میں عورت ہو ۔ جس نے اپنے خاوند

کی صحبت کا لطف اٹھایا ہو۔ ہر حالت میں اُسکی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔
خاوند کی وفات کے وقت سے وہ ایک فالِ بد اور خلقی مجرم قرار دیجاتی ہے۔
مس سوراب جی لکھتی ہے۔ کہ وہ اپنے مرحوم خاوند کے عوض میں ایک
نہائیت ہی کمینہ عورت خیال کیجاتی ہے۔"

مس میو کہتی ہے۔ "اِن حالات سے اِنکار کیا جاسکتا ہے۔ مگر ان حالات
کو متزلزل اور غلط نہیں کیا جاسکتا" کیا عقل سلیم ہے۔ کہ ایک تین سال
کا بچہ اپنے خاوند کے ساتھ رہے ہے۔ اِن تحریروں کو غلط اور اِن سے انکار ہو
سکتا ہے۔ جیسا کہ مس میو خود اپنی تحریر کو نہیں مانتی۔ اور خود اُسکی عقل سلیم اس
بات کو نہیں مان سکتی۔ مس میو اور مس سوراب جی کی تحریروں کا مقابلہ کیا جائے
تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ غیر ہندو مستورات راسخ الاعتقاد ہندو خاندانوں کی اندرونی
حالت سے کیسے واقف ہوگئیں۔ ایک لائق ہستی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

معزز خاندانوں میں بیوہ لڑکیاں اور بہنیں تمام گھرانے کیلئے نہائیت ہی
لاڈلی ہوتی ہیں۔ اور بہوؤں کی نسبت اُن سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے بہو
تو ایک دوسرے خاندان کی آئی ہوئی عورت ہوتی ہے۔ یہ لکھنا کہ ہندو
بیواؤں سے ناروا سلوک رکھا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ یورپ
میں عورتوں کو خاوند نہیں ملتا۔ اور انکا بُرا حال ہوتا ہے۔ اور ہندوستان
کیلئے یہ بالکل غلط ہے۔ شادی شدہ زندگی بھی اُسی قدر اور اُنہی تکلیفات
سے لبریز ہوتی ہے۔ جس سے کہ بیوہ عورتوں کی زندگی۔ اور مستورات
مانند آدمیوں کے خواہ بیوہ ہوں یا شادی شدہ ہمیشہ اور ہر حالت میں خوش
خرم رہ سکتی ہیں۔ بشرطیکہ اُنہیں حقیقی اور اعلےٰ تعلیم کے ساتھ اپنے ہم

جنسوں کی خدمات کا بھی موقع دیا جائے"۔

ہندو بیواؤں کی نہائیت احتیاط سے خبرگیری کیجاتی ہے۔ نہائیت عمدہ سلوک کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُنکا دوبارہ نکاح ہو جائے۔ دوبارہ شادی کی مخالفت صرف برہمنوں میں ہی ہوتی ہے۔ جوکہ تمام آبادی کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہیں۔ مگر دوبارہ شادی کا کرنا زمانہ قدیم سے اتنک دوسری قوموں میں ہی چلا آیا ہے۔ مگر بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ عورت مرحوم خاوند کی یاد میں دوبارہ شادی نہیں بھی کرتی۔ اور بعض کا تو مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر دوسری شادی کی تو اُن کے بچوں کی تکالیف میں اضافہ نہ ہو جائے اور وُہ انہیں باتوں کو سوچکر دوسری شادی نہیں کرتیں۔

اسفل قوموں میں دوسری شادی ایسی عام ہے۔ جیسی کہ آجکل امریکہ میں شودروں میں بیواؤں کا نکاح مانند یورپ کے عام ہے۔ مگر اعلیٰ ذاتوں میں مثل کشتری اور ویش اِن میں یہ رواج بہت کم ہے۔ تعلیم یافتہ برہمنوں میں اب کنواری مگر بیوہ کی شادی کا رواج ہو چلا ہے۔ یہ رسم انہوں نے آریوں سے اخذ کی ہے۔ ہندوستان کے نہائیت ہوشیار اور قابل جرنلسٹ مسٹر کے نٹرجان نے گذشتہ چالیس سال سے اصلاح کی طرف توجہ کی ہے۔ اُس نے برہمنوں میں سے قابل اور تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک جماعت مقرر کی ہے۔ اس جماعت میں بہت معزز اور لائق آدمی شامل ہیں۔ جن میں سے ایک رائٹ آنریبل سرشاستری ہیں۔ جو آجکل جنوبی افریقہ میں ہندوستان کے سفیر ہیں۔ نٹرجان اور اسکی شاستری سوسائٹی کی اصلاح کی جانب مس میو نے بالکل توجہ نہ کی۔

راسخ الاعتقاد اور اعلیٰ برہمن خاندانوں میں جہاں کہ بیواؤں کا نکاح ثانی نہیں کیا جاتا۔ بیواؤں کے ساتھہ بہت ہی اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ ایسا اچھا جیسا کہ امریکہ میں بوڑھی کنواریوں سے کیا جاتا ہے ۱۹۱۱ئہ کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیس برس سے زیادہ عمر کی کنواری اور دوشیزہ بہت کم ہیں۔ اور بوڑھی کنواریاں تو قریبًا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہندوستان کی مردم شماری میں کنواری عورتوں کے اعدادِ شمار نہیں دئے گئے۔ کیونکہ میرا کہنا حفاظت سے خالی نہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ "سترہ اور اٹھارہ برس کی کوئی عورت غیر منکوحہ بدکار نہیں۔ اور اسی طرح کوئی مرد بھی غیر شادی شدہ نہیں۔ مگر سوائے بیماروں کے" اگر ہندوستان کی فضا مس میو کے خیال کے مطابق بیواؤں کی وجہ سے خراب ہے۔ تو یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ امریکہ کی فضا غیر منکوحہ ماؤں اور کنواریوں سے خراب اور زہریلی ہو چکی ہے۔

مس موصوف کی دروغ بیانی دیکھئے جس میں کہ اُس نے ہندوستانی مستورات کے ساتھہ سلوک اور اُن کا سوسائٹی میں درجہ بیان کیا ہے۔ کاش وہ اس قدر کوتاہ نظری سے کام نہ لیتی ہوی اپنی ہی ہم جنسوں کی حالت کا پہلے اندازہ کر لیتی مگر اُس نے ہندوستان سے بہت کم دیکھا ہے۔ بلکہ اس نے دوسری کتب سے بہت سا مواد بہم پہنچایا ہے۔ وہ کتب جن سے اس نے معلومات حاصل کی ہیں۔ سب غلط بیانی پر مبنی ہیں۔

مس میو کے بیان کے مطابق کہ ہندوستانی عورتیں پردہ کی حدود میں نہائیت بدبختی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ اِن کا سوسائٹی میں کوئی درجہ نہیں اور نہ انہیں زندگی سے کوئی دلچسپی دکھائی جاتی ہے۔ اور نہ انہیں کوئی ملکی

معاملات سے لگاؤ ہے۔ ایک انگریز کے خیالات سے اُس کے خیالات کا موازنہ فرمائیے۔ لکھتا ہے۔

مَیں ایک خاتون سے ملا۔ میرے خیال میں پنجاب بھر میں وُہ نہائت ہی ذی اقتدار و ذی اختیار عورت تھے۔ جو کہ سالہا سال سے ایک آریہ پُتری پاٹھ شالہ میں ہیڈ مسٹرلیس کے عُہدہ پر کام کر رہی تھے۔ آریہ سماج سکولوں کا مقصد قوم کو مدد دینا تھے۔ وُہ ایک لحاظ سے حرف گیری و نقطہ سنجی کیلئے کھولے گئے ہیں۔ اور اُن کے عیب جو یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ اصلی تعلیمی مرکز ہیں۔ انکا تعلق عدم تعاون اور ملکی معاملات سے بالکل الگ ہے۔ ہیڈ مسٹرلیس خود ایک نہایت قابل اور ہوشیار ملکی مدبر تھی۔ مگر بالکل قومی رنگ میں۔ خاتون نے مجھے بتایا۔ کہ جب سے میں نے سکول کا انتظام ہاتھ میں لیا۔ کوئی ایسی لڑکی نہیں۔ کہ جسکو قومیّت کی معلومات نہ ہوں۔ سکول چھوڑنے سے پہلے ہی سب لڑکیوں کو ہشیار کر دیا جاتا ہے۔ اُس نے اعتراف کیا۔ کہ سنہ ۱۹۱۹ء تک اکثر لڑکیوں نے سکول کے چھوڑنے کے بعد ملکی معاملات میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ مگر سنہ ۱۹۱۹ء سے ہوا بالکل بدل چکی ہے۔

"آریہ سماجیوں نے تمام پنجاب میں لڑکیوں کے سکول کھول دیئے ہیں۔ اور اِس سکول سے مدرس تعلیم پاکر دوسرے سکولوں میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور یہ فرق فوراً معلوم ہو جائیگا۔ مگر ابھی تک عورتوں کی جانب سے ملکی معاملات میں کوئی تیزی واقع نہیں ہوئی۔ اخبارات نے کاملوں کو حد سے زیادہ بڑھا کر لکھنے کی جانب رجوع کیا ہے۔ آدمی اُن کو میدانِ عمل میں لانے کے لئے بہت بے چین نظر آتے ہیں۔ جہاں کہ وُہ کچھ مدت بعد پہنچ جائینگی۔ مگر فی الحال کوئی

نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں گجرات میں دو مدبر عورتوں سے ملا۔ وُہ ملکی معاملات میں اسلئے دلچسپی لیتی تھیں۔ کیونکہ اُن کے باپ بھائی اور خاوند ملکی مدبّر تھے۔ میں یقیناً کہتا ہوں۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ تمام مستورات مسٹر گاندھی کی پجاری ہیں۔ مگر اُن کو اس سے بحثیت ملکی مدبّر کے دلچسپی نہیں۔ بلکہ وُہ اسے ایک ولی خیال کرتی ہیں۔ بار دولی میں میں نے ایک شئے دیکھی۔ کہ جسکا میرے دل پر نقش ہُوا۔ وُہ یہ کہ ہم ایک برہمن کے گھر بیٹھے ہوئے گاؤں والوں کے سوراج کی بابت خیالات سُن رہے تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک بیوہ عورت سب باتوں کو ہمہ تن غور سے سُن رہی تھی۔ اُٹھنے سے قبل میں نے پوچھا۔ کہ شائد وُہ کچھ کہے مگر اس نے بات کرنے سے انکار ظاہر کیا۔ مگر اُس نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ جو کہ ذرا سخت زبان تھا۔ اور کہا۔ جو کچھ یہ کہے میں اس سے متفق ہوں''۔

''مگر گجرات کی عورتیں مردوں کی نسبت کھدر کے پہننے پر بہت کم تیار ہیں۔ پنجاب کی تعلیم یافتہ جماعت کی مستورات اپنی گجراتی بہنوں سے ایک بالشت آگے ہی ہیں۔ ایک گاؤں میں مَیں نے بہنوں کو کھدر میں ملبوس دیکھا۔ دیگر مقامات پر میں نے سُنا ہے۔ کہ ہندوستانی آفسروں کی بیویوں کو کھدر بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اُس وقت جبکہ وُہ کسی ترقی کو عمل جامہ پہنانے کیلئے مضطرب ہوں۔ گجرات کے لڑکیوں کے سکول کی ایک انگریز خاتون نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ سکول کی فضا میں نہائیت ہی دردانگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اُسکی شاگرد لڑکیاں جو کبھی اس سے دوستانہ برتاؤ کیا کرتی تھیں۔ اب نہائیت مخالف و بدگمان ہیں۔

''یہاں تک ترقی کی تکمیل ہو چکی ہے۔ مگر چند سال گذرنے کے بعد ہندوستانی

قومیت کی سب طاقتیں حتیٰ کہ گاؤں میں بھی برسرِ بیکار نظر آئینگی۔
بعد کی صحیح اطلاعات سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں ابھی تک ہندوستانی مستورات کی ملکی معاملات میں خصوصاً گاؤں کی مستورات کی دلچسپی کا اندازہ ہی نہ کرسکا۔ اور اس طرف ترقی کے میدان میں سکھ عورتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیگر جگہوں میں ملکی معاملات میں حصہ لینے والی عورتوں مردوں کی نسبت زیادہ سنگدل اور کڑوی ثابت ہوئی ہیں۔

آٹھواں باب

غلطی اور مبالغہ آرائی

مس میو کے خیال کی اصلیت کی اکثریت کو سمجھنے کیلئے ایک انگریز کو راسخ الاعتقاد مشرقی کا روپ پھرنا پڑتا ہے۔ نمائشی پردہ دار عورت نسلی غرور سے معمور قومی تہذیب میں ڈوبی ہوئی۔ اپنے آپ کو سب سے اونچا ثابت کرتی ہے۔ اُس وقت جبکہ وُہ خوشحال اور تیز رو مغرب کے رسم و رواج سے آگاہ ہوتی ہے۔ خیال کیجیئے جب وہ کسی اخبار میں نہائیت مؤثر اور ہر دلعزیز خبر پڑھتی ہے۔ تو وُہ جوش سے نیم پاگل ہوکر نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ کہ تمام انگریز خاندانی اوباش۔ چور لیٹرے اور قاتل ہیں۔ پھر وُہ لنڈن کے ایک تھیٹر میں جاتی ہے۔ اور سب سے روشن کھیل رو فنٹیکس دیکھی ہے۔ جس میں موجودہ شادی کی رسوم کے نقصانات دکھائے گئے ہیں اور گلیوں

میں ناقابل اعتبار بیماریوں کی تعداد پر رونا رویا گیا ہے۔ .... بعد ازاں وُہ
ایک دو ہسپتالوں میں جاتی ہے۔ اور ڈاکٹروں سے مریضوں کی اخلاقی حالت
دریافت کرکے اِس نتیجہ پر پہنچتی ہے۔ کہ تمام انگریزی نسل نہائیت ناپاک و بداخلاق
اور ناقابل ذکر امراض سے گھری ہوئی ہے۔ ...... وُہ متحرک تصاویر کے تماشہ
گاہ میں جاتی ہے۔ امریکن فلم اُس کیلئے بہت ہی حیرانی کا باعث ہوتے ہیں۔ اور
وُہ شک کرتی ہے۔ کہ امریکن نہائیت بداخلاق و بد اطوار ہیں ..... وُہ ریاستہائے
متحدہ امریکہ کے مجرم اور کچہریوں کے بڑھتے ہوئے بیانات پڑھتی ہے۔ اسکے
شکوک پختہ صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ وُہ اپنے روزنامہ میں نوٹ کر لیتی ہے۔
"امریکن کذاب۔ چور اور دیوانہ قاتل ہیں۔ بزدل اور شہوت کی کثرت سے برباد شدہ
انسانیت سے گرتے ہوئے۔ نہائیت خطرناک۔ فریبی ہیں" اسکے بعد وُہ ایک
دوست کے ذریعہ سے رقص گاہ میں پہنچتی ہے۔ تمام عمر بھر میں اُس نے مغربی
ناچ نہیں دیکھا۔ مردوں کو عورتوں سے ایک کافی فاصلہ پر سے باتیں کرتا ہوا
دیکھنے والی۔ جدا ہوتے وقت جھک کر سلام کرنا مگر ہاتھ نہ ملانا۔ مگر یہاں کے حالات
کو دیکھ کر حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ کہ آدمی اور عورتیں (خاوند و بیوی
نہیں) ایک دوسرے کے ساتھ سب کے سامنے ناچتے ہیں۔ اور باجے کی لہر
کے ساتھ اپنے جسموں کو خاص انداز میں حرکت دیتے ہیں۔ ..... مشرق
میں ناچ رنڈیوں کا پیشہ ہے۔ یہ پیشہ ور عورتیں آدمیوں کے ساتھ ملکر نہیں
بلکہ تنہا رقص کرتی ہیں۔ شب کی محفلوں میں شریک ہو کر مشرقی مسافر اپنے
نتیجہ کو مضبوط کرتے ہیں۔ نہائیت تعجیل اور غلطی سے کام لیتا ہے۔ اُس نے حالات
بچشم خود ملاحظہ کئے۔ اپنے کانوں سے سُنا۔ اور خیال کرتا ہے۔ کہ اُس کا دعوے

جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اب وُہ مشرقی عورت علی الاعلان کہتی ہے۔ "تمام مغرب بد اخلاق۔ دھوکے کی ٹٹی اور دردناک امراض کی جڑ ہے۔ یہ مشرق کی تہذیب کیلئے ایک عظیم خطرہ ہے۔ سوشل بائیکاٹ اور نہایت سختی سے علیحدگی ہی سے مشرق محفوظ ہو سکتا ہے۔"

مس میو ہندؤوں کے سروں پر شہوت کو اکسانے والے قومی نشان دیکھتی ہے۔ اور اُسکا مشرقی مقلد برہنہ گردن۔ ننگی بانہیں اور چھوٹے کرتے کو دیکھ کر مضحکہ آمیز نتیجہ پہنچتا ہے۔ ہندوستان میں عورتیں بہت سے کپڑے پہنتی ہیں۔ اور ہندوستانی لڑکی کی ایک ساڑھی چار امریکن لڑکیوں کے لباس بنانیکے کافی سے زیادہ ہے۔

میں۔ پی اینڈ او کمپنی کے راولپنڈی نامی جہاز میں جب انگلینڈ آرہا تھا۔ اُس وقت ایک نظم کا مقابلہ چل رہا تھا۔ میرے ایک انگریز ہمراہی مسافر نے اُس کو جیتا۔ اُس نے اپنے مضمون میں ہوا کی بلندی اور کوتاہ کرنے کو نظم میں باندھا تھا۔ ایک نوجوان ہندوستانی نے جو شائد پہلی مرتبہ یورپ جارہا تھا۔ اپنے ہمراہی سے سرگوشی کی اور کہا۔ کہ کیا فرطین ہے۔ دوسرے نے جو کہ پُرانا مسافر تھا۔ نہایت عقلمندی سے جواب دیا۔ ہر قوم کا اپنا اپنا دستور ہے۔ ایک قوم کی رسم دوسری کیلئے ٹھیک نہ ہوگی۔ مگر ہر قوم کی رسم اُس میں اچھی لگتی ہے" مغربی شہروں کی گلیوں میں ہی مرد و زن کا ملنا اور ہر قسم کی کھلم کھلا باتیں کرنا ایک عام بات ہے اور معیوب خیال نہیں کیجاتی ہندوستان میں قحبہ خانے (چکلے) ہیں مگر گلیوں میں سودا نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ ہزاروں نابخت ایسے میں جو ہمیشہ گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور رنڈیوں اور بدکاروں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے ہیں مگر اسکا الزام ساری قوم پر

کبھی عائد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ساری قوم بد اخلاق ہی گردانی جا سکتی ہے ان میں سے اکثر تناسلی امراض میں گرفتار ہوتے ہیں اسلئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ تمام قوم ہی ایسے قبیح امراض سے گھری ہوئی ہے اگر آپ امریکہ اور ہندوستان کے تناسلی امراض کے ہسپتالوں سے بذریعہ مریضوں کی مردم شماری کے بالحاظ آبادی مقابلہ کرینگے تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندوستان ایسا برا نہیں جیسا مس میو نے اسکی حالت پر رنگ چڑھایا ہے جنوبی ہند میں ابتک یہ عام اعتقاد ہے کہ واسکوڈاگاما کے باشندے ہندوستان میں آتشک لانیکا باعث ہوتے ہیں بادفرنگ جس کے معنی آتشک ہیں دو الفاظ باد اور فرنگ سے مرکب ہے جسکے لفظی معنے برطانی ہوا کے ہیں۔ یعنی یہ بیماری فرنگستان کے باشندوں کی ایشیا میں لائی ہوئی ہے چونکہ ہندوستانی الگ الگ گاؤں میں رہتے ہیں اور یہی انکی خوش قسمتی ہے کہ وہ قدیم پاکدامنی کے طریق پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں البتہ شہروں کی حالت کچھ تسلی بخش نہیں ہے مگر پھر بھی امریکن گاؤں سے بہت بہتر ہے جہاں تناسلی امراض بہت زیادہ اور کثرت سے ہے۔ فرانس میں قدرے کم ہے۔ کیونکہ قحبہ خانے گورنمنٹ کی زیر نگرانی ہیں ڈاکٹر بدبخت عورتوں کا ملاحظ کرتے ہیں اور انکے جسم کی صفائی کی تصدیق لکھدیتے ہیں ریاستہائے متحدہ میں ان کی بدقسمت عورتوں کی حالت زیادہ اچھی نہیں سرکاری طور پر طبی امداد نہیں ملتی۔ وہاں زہریلی ہوا اور جمہوریت نہائت کثرت سے ہے تناسلی امراض کے ہسپتالوں اور ان امراض کے مخصوص ڈاکٹروں کی بڑی تعداد امریکہ میں زہریلی اور شرمناک امراض کی کثرت پر دلالت کرتی ہے ایسے امراض کے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی تعداد دن بدن ترقی پذیر ہے اسلئے یہ شہادت

ہے اس بات کی کہ وہاں دن بدن ایسے امراض کی کثرت ہو رہی ہے باوجود ان سب کے ہوتے ہوئے کوئی مشرقی یہ نہیں کہتا کہ ہر ایک امریکن کبڑا یا بدشکل ہو گیا ہے اور مغربی عورت شرمناک تناسلی امراض کی شکار ہو گئی حالانکہ شفاخانوں میں ایسے کئی واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں مگر مس میو بالکل درست کہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ تناسلی امراض ہندوستان میں عالمگیر ہیں اور اس کی ذمہ واری صرف انہیں پر ہی ختم نہیں کرتی کہ بنگال میں شرارت بہت ہے بلکہ وہ امراض کی کثرت کی شہادت میں لاتعداد بچوں کی اموات بھی انہیں امراض کا باعث بتاتی ہے۔ وہ انفلوئنزا اور پلیگ کی اموات کو بھی انہیں امراض کا باعث خیال کرتی ہے۔

ہر سال ہزاروں بچے مرتے ہیں بچوں کی اس کثرت اموات کے کیا سبب ہیں؟ ہندوستان غریب ہے مفلسی اور ولادت دونوں یکساں چل رہے ہیں جس قدر افلاس ہے اسی قدر کنبہ کے آدمی زیادہ ہیں مسٹر گوکھلے نے اپنی 1905 کی تقریر میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں چار کروڑ انسان صرف چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا کرتے ہیں سر چارلی ایلیاٹ بیان کرتے ہیں کہ "ہندوستان میں سات کروڑ انسان ایسے ہیں جنہیں ایک سال کے تمام دنوں میں ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا" مسٹر مانٹیگو اپنی ۱۹۱۹ء کی تقریر سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں "کیا کسی کو اس حقیقت میں انکار ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال کے عالمگیر انفلوئنزا میں ہندوستانی کم و بیش چھ کروڑ موت کا شکار نہیں ہوئے؟۔ کیا اسقدر اموات کا ہونا مفلس اور طاقتور کی کمزوری کی علامت نہیں ہے؟۔

جبتک ہندوستان میں مفلس ونادار ی ہے کمزور اور ناتواں والدین کے بچے ضرور مرینگے کیونکہ ان میں قوت روحانی اور خوراک کی بہت کمی ہوگی اور اس صورت میں جبکہ ان میں خوراک کی کمی رہی وہ مرینگے اور ضرور مرینگے اور اگر وہ موت کے بے پناہ پنجے سے بچ بھی رہے تو تکالیف کی زندگی خود بسر کرینگے اور انکے علاوہ افراد کی تکالیف وہ زندگیاں ایک اور کے اضافہ کا باعث ہونگے

ہندوستان تمام دنیا میں غریب ملک تسلیم کیا گیا ہے اس حالت میں بھی اس میں گورنمنٹ کیطرف سے کوئی غرباء کی پرورش کیلئے جگہ اور مقام نہیں ۔صرف امراء اشخاص نے ازراہ سخاوت دھرم سالہ کھول رکھے ہیں مگر اسکی بابت مس میو نے اپنی کتاب میں ایک حرف تک نہیں لکھا جنوبی ہند میں دھرم سالوں میں ہر غریب مسافر کو تین روز تک بلا مزاحمت رہنے کی اجازت ہے ۔یاد رہے کہ یہ انتظام چند نیک و فیاض دل احباب کی عنایتوں کا نتیجہ ہے سرکار یا مشنری کو اس میں کچھ شمولیت نہیں غور کا مقام ہے کہ اس حالت میں بھی ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فیاضی و نیک دلی نام کو نہیں ۔حجت کے طور پر مس موصوف لکھتی ہے "اگر ہندوستان میں سنگدلی اور فیاضی ہوتی ۔تو اس جماعت کا نام اچھوت کیوں رکھا جاتا" اس کا جواب بس یہی ہے کہ اگر یورپ میں شرافت کا دور دورہ ہے ۔تو پھر گلیوں میں آوارہ مزاج عورتوں سے کیوں سودے ہوتے ہیں اگر وہاں خوشنودئے عاقبہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو وہاں نجس و ناپاک علاقے کیوں بنے ہوئے ہیں ؟ ۔ان ناپاک علاقوں کے باشندوں سے اچھوتوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے ۔

مس میو تمام مغرب میں سے ایک نہائیت ہی اعلےٰ دماغ واقع ہوئی ہے اور
وہ لنڈن کے نہایت ذہن رسا اور اعلیٰ ہستیوں سے زیادہ ہندوستانیوں
کی روحانیت اور دیگر اخلاق کو جاننے والی واقع ہوئی ہے۔ کیا اسکو ذلیل
ونا پاک ہستیوں کے بچے یاد نہیں تھے۔ ایک مرتبہ وہ فلاں فلاں لیڈی کے ہمراہ مغربی
گوشہ میں کھانے کیلئے گئی تو کیا اُس نے اپنی مشرقی گوشہ میں رہنے والی
بیمار ہمشیرہ کو پوچھا تھا؟ مس صاحبہ اسکے جواب میں ضرور کہیگی کہ واقعی
میں نے اسکو نہ پوچھا تھا۔ کیا ایسی عورت جو صرف اپنا آپ ہی رکھ سکتی ہو
دوسروں کیلئے کیا اور کیسے راہبر کا کام دے سکتی ہے وہ ہندوستانی
تحریروں کا حوالا دیکر لکھتی ہے کہ اچھوتوں کی زندگی ایک بدنامی کی زندگی
ہے شائید اسکو یاد نہیں کہ راما جو ہندؤں کا اوتار اور ایسا شخص تھا
جسکو ہندوستان میں لاکھوں آدمی مانتے ہیں ایک اچھوت عورت کا
مہمان رہا تھا۔ راما یعنی سری رام چندر جی ایک کشتری تھا۔ یہ
ایک ذات ہے جو کہ عزت وعظمت میں برہمنوں کے دوسرے درجے پر ہے
۔ یہ اجودھیا کا ولی عہد تھا۔ اور راجہ دسرتھ کی وفات کے بعد بہت مشہور راجہ
بنا لیکن مس میو لکھتی ہے۔ کہ یہ ایک ضعیف تاریخی زمانہ کی بات ہے۔ اسکا
جواب بہت سے مشہور خلائق انسانوں کے پاس ہے۔ جیسے رام کرشن
پرامہا مسا جوکہ رشیوں کا گرو تھا۔ دویکانند جس نے اپنی ہیبت خیز تقریر سے
امریکن مذہبی پارلیمنٹ کو تسخیر کر لیا تھا۔ رام کرشن ایک برہمنوں کا
برہمن تھا اپنے خیالات کا نہائیت پکا اور پرہیزگار تھا۔ لاکھوں ہندوستانی
عموماً اور بنگالی خصوصاً اسکو پوجتے اور اسکی پرستش کرتے ہیں مگر امریکن

عورت اسکو صرف ایک ہی مثال پر محمول کرتی ہے آریہ سماجی جماعت اور انکے
مبلغ اعظم سوامی **سوامی شردھانند** کی جن کو پچھلے سال ایک
متعصب مسلمان نے قتل کر دیا تھا اسلیئے کہ اونہوں نے اپنی منتظم جماعت
کے ذریعہ سے مسلمانوں اور اچھوتوں میں دوبارہ ہندو دھرم پھیلانا چاہا
تھا وہ اس قسم کے شخص تھے۔ کہ جس بات کا آپ پرچار کرتے تھے صرف
پرچار تک ہی محدود نہ رکھتے تھے۔ بلکہ سب سے پہلے آپ اس بات پر عمل کرتے
تھے۔ اونہوں نے مالابار میں اچھوتوں کے ساتھ ملکر کھانا کھایا جہاں کہ
ان کے قریب ہونا بھی ایک گناہ عظیم خیال کیا جاتا ہے اور اسکے علاوہ کئی
سینکڑوں پیرؤں نے ایسا کیا۔ ٹراونکور کے ریاستی مرکز ویکام نامی گاؤں
میں ایک میدان جنگ چھڑ گیا یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک پرانے اور
راسخ الاعتقاد لوگ بکثرت بستے ہیں اعلیٰ طبقہ کے ہندو ریفارمر
مردوں نے اچھوتوں کو اس امر کی طرف راغب کر لیا کہ صبر سے
مقابلہ کیا جائے انکا بعض راستوں سے گذرنا مدت سے ممنوع
کرار دیا گیا تھا۔ وہ کسی شئے سے بھی نہیں ڈرے۔ اور ریفارمر مردوں
نے لڑائی چاہی۔ دوسری جانب پرانے اعتقاد کے لوگ بھی برسرپیکار نکل
آئے وہ اچھوت جنکو ناشر برہمنوں نے سکھایا تھا۔ انہوں نے دوسرے برہمنوں
کے مندر توڑ ڈالے۔ اور ممنوع راستے سر ... رائج کر دیئے وہ جیلوں میں گئے
جہاں وہ بہت اچھی طرح رکھے گئے انکو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کو دیا گیا گویا ان سے شریف آدمیوں کا سا
سلوک کیا گیا جو جیلوں میں گئے تھے انکی جگہ دوسرے آدمیوں نے لی اسی لڑائی کئی مہینوں تک ہی ٹراونکور
کی مہارانی کی گورنمنٹ نے (مہاتما کی ایک تشری سے جس نے ایک عمر مشاورتی کی ہے) مختلف راستے دیاں مالاکار کھولدیئں

ریفارمردوں کی خواہش کو آخر تسلیم کرا نے اور راسخ الاعتقاد ہار گئے۔ اور ایک دوسرا نمونہ معرض ظہور میں آیا۔ اِس طریقہ سے جنگ چھڑی پیراۓ اور باطل عقیدہ کے برہمنوں سے فریب کا طلسم ٹوٹا یہ ایسی جماعت نہ تھی کہ جسکا مقصد اپنے ملکی مفاد کیلئے مذہبی لڑائی لڑنا تھا۔ اصل میں وہ ایک اور ہی جماعت تھی جسکا مقصد صرف ابھارنا تھا۔

مِس میو لکھتی ہے "کہ نائیر یعنے اعلیٰ ہندوؤں میں ایک جلسہ ہوا جس میں یہ پاس ہوا کہ اچھوتوں کو ہلاک کر دیا جاوے"۔ نائیر مالابار کے علاقہ کے سپاہی اور کشتری ہیں اگر وہ اچھوتوں کو مار دیتے۔ تو آجتک اتنے اچھوت بڑھنے نہ پاتے اور دوسری جانب جب اونہوں نے یہ بات نہ کی۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ انگریزی حکومت کی برکت ہے کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ اگر نائیر اچھوتوں کو ہلاک کر دیتے تو ان کا کئی سال پہلے ہندوستان سے صفایا ہو گیا ہوتا۔ ہم سب پر مجوسی کی قسمت کا حال روشن ہے۔ بے چینی سے حیوانات کے متعلق انکشاف محفوظ رکھا گیا ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مِس میو کے وحشی بزرگوں اور آبا و اجداد نے ریڈ انڈین (امریکہ کی قدیم اقوام) کو کیسی کیسی بے قاعدہ تکالیف دیں۔ مِس میو کو خیال آنا چاہیے کہ اس نے ہندوؤں پر کیا کیا الزام لگائے ہندوؤں نے اُسکے بزرگوں کیطرح اپنے ہم جنس بھائیوں سے برا سلوک تو نہیں کیا۔ ہندوؤں نے عسائیوں کے لئے گرجے مسلمانوں کیلئے مساجد اور پارسیوں کیلئے اپنے گوگھر اور آتشکدے بنا کر دئے اُن پارسیوں کیلئے جو ایرانی ظالم سے تنگ آ کر ہندوستان میں آئے تھے۔

اگر کوئی مس میو کی تصنیف کو غور سے پڑھے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندوؤں کا اچھوتوں پر اعتراض نہیں بلکہ انکی کثافت پر اعتراض ہے عیسائی جماعت سے تعلیم و ترقی حاصل کرنے کے بعد مس نہایت لاپروائی کے ساتھ اچھوتوں کو ہندوستان کی امید کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ اسکے اندازہ اور تخمینہ کی مطابق پانچ لاکھ اچھوتوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانی عیسائیوں کی اکثریت ہے جو افلاس و تنگدستی و جہالت اور غلاظت سے تنگ آ گئے تھے اور جنہیں پادریوں کی اعلیٰ جماعت نے انکی اس خراب زندگی سے نجات دی مبارک ہو اس پادریوں کی جماعت کو جس نے یہ نیک کام کیا۔ اور مبارک ہو ان افراد کو جنہوں نے اس پادریوں کی جماعت کو مالی امداد دی مس میو کی تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی بابت ایسا ہی اعتراض ہے جیسا کہ مغربی امراء پر وہ دسواں حصہ ہیں۔ کیا امراء اپنی اس اقلیت کیلئے غلطی پر ہیں ؟۔ کیا درمیانہ طبقہ کے افراد اپنے گھروں کو گندگی کی شکل میں تبدیل کرنیکیلئے غلطی پر ہیں ؟۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا اعتقاد خرابی اور ناپاکی کو صاف کرنا ہے اور غریب اور ناتواں اشخاص کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانا ہے نہ کہ غلاظت اور رسوائی کے اسفل ترین غار میں گرانا

نواں باب

دنیاوی خدا

قدیم ہند کے فاتح آریوں کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ ہندوستان میں ہمیشہ کیلئے ہیں اور خدا اسکے قایم مقام یا نائب ہیں آسمانی قانون ساز مس میو کے

کے اشلوکوں میں وہ جماعت اور فرقوں کے بنانیوالے برہمن جنہوں نے اپنے
آپ کو دنیاوی خدا بنا رکھا تھا۔ تمام اقوام کے امتحان سے یہی طریق
اختیار کیا۔ خواہ یہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ واقعی قدیم برہمن اپنے آپ کو دنیاوی
خدا بنانے میں غلطی پر تھے۔ دیسی باشندوں نے آئندہ نسلوں
کو دھوکا دیا کیونکہ وہ تو اس وقت دنیاوی خدا کا درجہ حاصل کر چکے
اور آئندہ نسلوں کیلئے سفل ترین غار منتخب کر گئے۔ جیسا کہ موجودہ نسلوں کے
بزرگ اسلئے مجرم ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی سرزمین کو بذریعہ
غنیمت برطانیہ کے سپرد کر دیا۔ آریوں نے زمانہ قبل از تاریخ میں ہندوستان
کو مغلوب کیا۔ اور اب اگر وہ ازلی حق کے سمجھنے میں غلطی سے کام لے
تو گویا وہ اپنی امارت کے سمجھنے میں بہانہ سازی سے کام لے رہے۔ وہ
موجودہ بیسویں صدی کے سفید برہمنوں سے قطعی بہتر تھا جو اپنے ظہور
اور باہر جگہ اپنا اصلی اور حقیقی و ازلی حق بتاتے سمجھتے ہیں اور نشانی
کے طور پر مشرق کے دنیاوی خداؤں کے ظلم و ستم کو بطور نمونہ کے پیش
کر کے دعوے کے طالب ہوتے ہیں۔ لارڈ رپن کے البرٹ بل کو خراب کیا
گیا۔ اسلئے کہ وہ موجودہ بیسویں صدی کے دنیاوی خداؤں کے برخلاف
اعتراض پیش کرتا تھا۔ اسکی شہادت زمانہ حال میں ہی ایک خاص
نظام میں ملتی ہے۔

پرورش کے اعتقاد میں ہر ایک انگریز نے حصہ لیا کہ ہندوستان
ہی نے پرورش کیا۔ اس بات پر سب چھوٹے بڑے کا یقین ہے
دنیا میں ایک نظام سے رنجش تک حسب اس میں شامل و الحاصل

اپنے تخت پر اور غریب اپنے جھونپڑے میں بیٹھے خدا کے شکر گذار ہیں "

مس میو بھگوت گیتا میں سے نقل کرتی ہے۔ (اس کتاب میں دیوتاؤں کے قصص ہیں) جس میں کہ برہمن کے مارنے اور اسکے قتل کی سزا کی بابت مذکور ہے۔

وہ جس شخص نے برہمن کو مارڈالا وہ شخص مرنے کے بعد غلاظت کے کیڑوں کے جنم میں پیدا ہوگا۔ اسکے بہت مدت تک وہ اچھوت پیدا ہونیکے بعد وہ اتنی چار مرتبہ اندھا پیدا ہوگا۔ جتنے کہ ایک گائے کے جسم پر بال ہیں۔ اس پر بھی اسکا جرم چالیس ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے کے بعد معاف ہوگا"

بحیثیت ایک برہمن ہونیکے میں پرانے اور نئے برہمنوں کے اصولوں کا مداح نہیں۔ میرے خیال میں برہمنوں کا مذہب مسلمان فاتحان کے آنے سے ماند پڑ گیا تھا۔ اور باقی رہا سہا کھوج اورنشان برطانیہ حکومت کے آنے سے جاتا رہا۔ مگر برہمن اور کشتری جبتک ہندوستان میں رہے نہایت عظمت وشان اور رعب وداب سے رہے۔

برہمنوں کو اعلی اور شریفانہ زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ یہ انکی اعتقادی تشریح تھی اور وہ نئے آنے والوں کے راستے میں اٹکنا چاہتے کیونکہ قدیم آقوام انکی مفتوحہ تھیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ شریفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ فاتح ہمیشہ بیرحم ہوتے ہیں۔ خواہ وہ بہت زیادہ بے رحم ہوں یا رحمدل ہوں۔ عقل وشعور بہادری وشجاعت کا جزو اعلی ہے آریوں

نے دیہاتوں کی سی زندگی بسر کرنی شروع کی اور اس طرح وہ قدیم اقوام کے روحانی پیشوا ہو گئے۔ مگر موجودہ زمانہ کے برہمنوں نے ملکی نسخ کا ذمہ اٹھایا ہے۔ جو صرف دباؤ اور زور سے ہی رک سکتا ہے۔

پرانوں کے زمانہ میں قوموں کا اصول خواہ کیسا ہی برا ہو۔ وہ کتاب جس میں سے میں میوا اصل چیز تلاش کرتی ہے یعنی ورنا (ایک ذات) اور یہ ایک قدیم زمانے میں ہی قوم ہی تھی۔ جو کہ ویدک کا زمانہ تھا اور واقعی ویدک کا زمانہ قوموں کی تقسیم کیلئے ایک نہایت عمدہ اور اچھا زمانہ تھا۔

آریوں نے اپنے آپ کو تین مختلف جماعتوں میں تقسیم کر لیا۔ برہمن کشتری ویش۔ انہوں نے تمام حکومت پر قبضہ کر لیا اور جو درمیانی جماعت تھی۔ اسکا نام شودر رکھا گیا۔ شودر غیر مہذب اور گندے بہت تھے۔ اور ایک پانچویں جماعت تھی۔ جو سب سے کم تر تھی وہ اپنے ہی ماحول میں رہتے تھے اور انکا دوسری ذاتوں سے ملنا ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔

اسکے بعد برہمنوں نے انتظامی رخ کی جانب رجوع وہ امرا اور ملک کے خیر خواہ تھے۔ جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اعلیٰ افسر سول سروس میں ہیں۔ کشتری ایک بہادر اور سپاہی ذات ہے وہ فوج میں بھرتی ہوئے۔ سپاہی۔ جنرل اور بادشاہ بنے۔ برہمنوں کے پاس تربیت ویدوں کی تعلیم طبی اور ملکی علم۔ علم ادب وغیرہ رہا۔ یہ کشتریوں سے الگ تھے۔ گویا ہر قسم کا علم برہمنوں کے سپرد کیا گیا۔ اور یہی کشتریوں کو علم سکھایا کرتے تھے جیسا کہ اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں۔ وہ لوگ اور شینڈ ہرسٹ سے الگ ہیں برہمن اپنی الگ دنیا میں رہتے تھے

اور کشتری اپنی الگ فضا میں سولین اور سپاہی اپنی اپنی الگ کلیوں میں مزے کرتے تھے۔ ویش ایک کاروباری جماعت تھی مانند آجکل کے انگریزی تجارت پیشہ جماعت کے جنکا حکومت اور قانون سے کوئی زیادہ تعلق نہیں اور شودر ایک محکوم ذات جو کہ خدمت گزار تھی

پرانوں کا حوالہ دیکر اس امر کے دکھانیکی کوشش کی گئی ہے۔ کہ برہمن متعصب تھے۔ اور وہ شودروں کو نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ذات پات کی تمیز جو کہ ویدک کے زمانہ میں ظاہر ہوئی تھی ہندو دھرم کی کتابوں کے مطابق قریباً ۱۵۰۰ سال قبل از مسیح اور تاریخی حساب کے مطابق ۵۰۰ سال قبل از مسیح تھی اعلےٰ طبقہ میں جسطرح مخلوط شادیاں ہوا کرتی تھیں اسی طرح مخلوط کھانے اور دعوتیں بھی ہوتی تھیں اس وقت غیر آریوں کے ساتھ مخلوط شادیاں بالکل نہ ہوتی تھیں جیسا کہ آج کل یورپین آفیسر جماعت ہندوستانیوں سے مخلوط شادیاں نہیں کرتی یہ رواج ان دنوں رائج تھا

ویدک کے زمانہ میں ذات پات کی تمیز ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے نہایت گہری الفت و محبت تھی ایک دوسرے کے برخلاف سرگرانی اور حقارت آمیز تحریر نہ لکھی جاتی اور نہ استعمال ہوتی تھی قدیم آریوں نے ایک دوسرے کے خلاف جماعتیں کھڑی کیں اور آمادۂ پیکار ہو گئے اس طرح فاتح اور مفتوح کمزور ہو کر تھک گئے۔ اور اس طرح وہ نہایت آسانی سے غلام بنائے گئے۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ غلامی کی زنجیر لوگوں کے گلے میں اچھی طرح پڑ چکی تو اس وقت

تلوار چلنی شروع ہوئی یہ پرانوں کا زمانہ تھا جس نے کہ ویدک کی امیرانہ روح کو کمزور کر دیا۔ اور وید کے وقت کی ذات پات کی تمیز بالکل مٹ گئی۔ ویدک کی جگہ پرانوں کی حکومت نے لے لی جو کہ سراسر جنگی اور تباہ کن راستہ تھا۔ رامائن کے زمانہ میں مشہور ہیرو رام چندر اور لنکا کے راجہ راون میں لڑائی ہوئی۔ اور اس کے قریباً ہزار سال بعد ایک اور عظیم الشان جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی کورو اور پانڈو کے درمیان تھی جس کا ذکر مہا بھارت میں ملتا ہے۔ اس کے بعد بدھ مذہب کا زمانہ آیا جس نے کہ ہر قسم کے تشدد سے منع کیا اور تمام ذات وغیرہ کی تمیز بالکل مٹا دی بدھ مذہب کی بہت مدت تک حکومت رہی راجہ مہاراجہ غرضیکہ سب اس نئے مت کے حلقہ بگوش ہو گئے خصوصاً راجہ اشوک کے وقت میں تو یہ بہت عروج پر تھا۔ اس کے ایک عرصہ بعد شیوجی کے وقت میں برہمنوں نے زور پکڑا اور بدھ مت جو کہ تمام زمین اور ملک پر پھیلا ہوا تھا۔ اور جس میں تشدد منع تھا۔ اپنے اس اصول پہ کاربند تھا۔ آخر تشدد کے مقابلہ میں تشدد نہ کرنے کی وجہ سے اس کے پیرو سب کے سب دوسری جگہ میں چلے گئے۔ اور جا کر چین اور تبت پر قابض ہو گئے۔ ہندوستان خود اس کے بعد اپنے ہم عصر یورپ کی طرح خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کا شکار ہو گیا۔

ہندوستان کا کسی دیگر مغربی ملک کے ساتھ مقابلہ کرنا سخت نادانی ہے۔ کیونکہ ہندوستان پیغمبر گاہ براعظم ہے۔ یہ نہایت

مشکل امر ہے۔ اور قومیت پسندوں کا ہندوستانی طاقتوں کے انتظام میں ایک دوسرے سے ملنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس جگہ برّاعظم کو ترتیب دینے کا سوال اٹھتا ہے۔ مس میو نے عموماً بہت ہی بیہودگیاں سرزد ہوئیں اس نے یہ سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے کہ اس کا تعلق ایک سے ہے۔ نہیں بلکہ بہت اور مختلف اشخاص سے ہے حتیٰ کہ قریبی رشتہ داریاں اور رسم و رواج ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ کے میدانی اور پہاڑی علاقوں کے باشندوں کے محاورے جیسے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں برطانیہ ایک قوم کا مسکن نہیں بلکہ بہت سی اقوام کا مرکب بنتے اس پر بھی باہمی لڑائیوں اور جھگڑوں کے بعد ایک قومیت ہی پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے یہی حالت انگریزوں کے ہندوستان میں آنے کے وقت ہوئی۔ اور ہندوستان میں ایک نئی شاخ ڈیولپ ہو گئی

مس میو سفید خارج از ذات لوگوں کا سوال اٹھانے سے گھبراتی ہے یہ تھے نتیجے ان کے خواہ یہ حقیقی ہوں یا غیر حقیقی ان میں رنگ و قومیت کا کوئی سوال نہ تھا۔ موجودہ شہنشاہیت سے مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے پہلے انگریز اپنے ہمراہ اپنی بیویوں کو نہ لائے۔ ہندوستان اور انگلستان میں آپ فاصلے اور دوری کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں اس وقت نہر سویز نکالی نہ گئی۔ تھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے نقائص یوریشین میں ہیں۔ اور انگریزوں میں کوئی وصف نہیں یہ غلط ہے۔ یوریشین لوگوں میں بہت سے قابل اور بہادر

اشخاص موجود ہیں۔ مگر وہ یہ خیال نہ کر سکے۔ کہ ان کی رگوں میں حکومت کا خون جوش زن ہے جب ان کے دلوں سے یہ خیال نکل گئے۔ اور ہندوستان کو وہ اپنا پدری حق سمجھنے لگے اس وقت ان کو مفید شہری بننے کے بہت سے موقعہ مل جائینگے۔

مس میو نے مجسم شیطان برہمنوں سے کچھ منسوب نہیں کیا انہوں نے ڈرا دھمکا کر اور بددعاؤں کے ذریعہ اپنی حالت کو برقرار نہیں رکھا بلکہ صلح کل حقیقت صاف گوئی اور کئی صدیوں کی روشنی میں اقتدار حاصل کیا برہمنوں کا خواہ کوئی جرم نا کامی ہو مگر اس قوم نے اپنی قیاسی زندگی کو ایک شاہراہ پر ضرور لگا لیا ہے۔ بندھیاچل کی جنوبی جانب سے لیکر تمام جنوبی ہند میں کوئی برہمن نہ گوشت کھاتا ہے اور نہ شراب پیتا ہے۔ اگر گوشت کھاتے ہیں تو شمال ہند کے برہمن اور بنگال کے برہمن مچھلی مگر شراب تو ہر جگہ ہی ممنوع قرار دیگئی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیا مس میو نے اپنی توجہ اس جانب بھی کی کہ سارے برہمن اب تک پرہیز کرتے رہتے ہے شمالی ہند میں پرندے بکرے اور ہرن اور دریاؤں میں قسم قسم کی مچھلیان ہیں۔ مقام غور ہے۔ کہ سوسائٹی کے لیڈر اور امرا صاحب دانش وعقل کیسے شراب اور حیوانی خوراک سے پرہیز کرتے رہے یہ

اشیا ان کے آباؤ اجداد سے نامعلوم وقت سے متروک چلی آئی
ہیں۔ برہمنوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ ہزارہا سال سے عامہ
رائے سے ان اشیا کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ بس میو کے
اپنے ملک میں جو کہ ابھی کل کی پیدائش سے ہے اور جہاں پر اس
کا اپنا کوئی قدیم احوال و تہذیب نہیں حکومت ہی کو قانون
نافذ کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے ملک میں جہاں کہ وہ بیٹھی ہوئی بدنام
اور بددروغ بیانی سے کام لے رہی ہے۔ سوسائیٹی ان چیزوں
پر کامیاب ہو گئی جن پر کہ قانون قابو پانے سے عاجز رہا۔

انگلستان میں اسفل ترین زندگی بسر کرنیوالوں کے متعلق وقتاً فوقتاً
ریفارمر اور ملکی مدبر حکومت کو ستاتے اور جتاتے رہے ہے مگر ان
ناخوش اشخاص (اسفل طبقہ) کی زندگیاں ہندوستان کے
دہقانوں سے پھر بھی بہتر ہیں اور اچھوت ان کے علاوہ ہیں
ایک انگریز ہمدرد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جو ہندوستان میں
اتنس نے اچھوتوں اور دہقانوں کے حالات دیکھے ہیں۔

مٹی کا جھونپڑا جس کی چھت باریک لکڑیوں اور پام کے درخت کے پتوں کی ہے۔ اگر چارپائی ہے تو کس چیز کی باریک چھڑیاں موڑ کے چارپائی بنائی گئی ہے۔ اس پر اس کا بستر ہے۔ وہ بھی صرف ایک۔ اور چارپائی زمین سے چھ انچ اونچی جھونپڑی میں نہ دروازہ ہے نہ کھڑکی۔ ایک آتشدان اور کھانا پکانے کی جگہ ہے سو وہ بھی باہر وہ صوفہ جس پر کہ کسی فرصت کے وقت آرام کیا جاوے۔ وہ سونے کے جھونپڑے سے باہر مٹی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ لباس صرف ایک ہی ہے۔ جو اس نے اپنی کمر کے گرد لپیٹا ہوا ہے۔ دوسرا لباس بالکل نہیں کہ ضرورت کے وقت کپڑے دھونے کے لئے دوسرا آج پہن لیا جاوے۔ نہ وہ (دہقانی) تمباکو پیتے ہیں۔ اور نہ وہ منشی اشیا کا استعمال جانتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ اخبار بینی کرتے ہیں۔ وہ کبھی تفریح طبع کے لئے کسی جگہ نہیں جاتے۔ اس کا مذہب اسے ہمدردی اور قناعت سکھاتا ہے۔ وہ یونہی قناعت پسندی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر فاقہ سوار ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کے دہقانوں کی یہ خوفناک حالت ہے جس کا نقشہ مذکورہ بالا الفاظ میں ایک انگریز نے کھینچا ہے۔ یہ وہاں کی حالت ہے جہاں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی بہت کثرت ہے۔ جو تمام دنیا میں نہایت ہی غریب اور مفلس ملک ہے۔ اگر وہ بیکار بیٹھے تو خدا معلوم اس کی کیا حالت ہو مگر وہ سخت محنت کش کفایت شعار اور جفاکشی سے اپنا کام دن رات انجام دیتا ہے۔

وہی انگریز آگے لکھتا ہے۔ "باوجود سخت محنت اور مشقت کے جو اکثر صبح سے شام تک انہیں کرنی پڑتی ہے۔ پھر بھی پیداوار فی ایکڑ انگلستان کی زمین سے نصف ہوتی ہے۔ مقام غور ہے کہ اسی پیداوار میں اس نے لگان ادا کرنا ہے۔ نمک کا محصول دینا ہے اور اس کے علاوہ سینکڑوں اقسام کے ٹیکس اس پر لگے ہوئے ہیں۔ پھر اگر ان کی کفایت شعاری پر تعجب کیا جائے تو شاید درست نہ ہوگا کیونکہ وہ اس حالت میں اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور خود بخود قناعت پسند واقع ہوگا۔ اس سبب سے اس نے قناعت کی زندگی بسر کرنی سیکھی ہے" اس کے بعد پھر وہی شخص پرسان ہوتا ہے "انگریزی کسان اور مزدوروں کی کیا حالت ہو۔ جب ان کو ان کی پیداوار فی ایکڑ سے نصف دی جائے"۔

انگلستان کسانوں اور مزدوروں کے لئے جنت ہے۔ اس حالت میں جب کہ وہاں کے کسانوں کا مقابلہ ہندوستان کے مزدوروں اور کسانوں سے کیا جاوے۔ ان کی اس غفلت و لاپرواہی سے گورنمنٹ پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی انگلستان میں مزدوروں اور کسانوں کو ان کی ترقی اور ہوش میں آنے کے عوض کچھ گرفت نہیں ہوتی۔ بلکہ انعام ملتا ہے۔ مگر اگر ہندوستان اگر کوئی ایسا کام کرے اور سوئے بھائیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے تو وہ ہر ایک سے اپنے لئے اچھے سلوک کا خواہشمند ہوتا ہے۔ یا اس کو یہی نوع

انسان میں منافرت پھیلانے کی وجہ قرار دیکر گرفتار گرفتار کر لیا جاتا ہے - حقیقی جانچ اور نکتہ چینی کے بغیر نہ تو گورنمنٹ ہی ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی یہاں کے باشندے - خود مختار ممالک میں مخالف طاقتور پارٹی کی روک کی کوئی پرواہ نہیں کرتا - ایک وہ ملک جو کہ آزاد نہیں بعض مرتبہ اس میں نکتہ چینی کرنیسے انسان مجرم قرار دیا جاتا ہے اگر گورنمنٹ جماعت کی تکالیف کے سبب کو معلوم کر کے اس کے ازالہ کا بندوبست کرے تو کسی کو نکتہ چینی کرنیکا موقعہ ہی نہیں مل سکتا اور خواہ مخواہ لوگوں کے قلوب کبھی برخلاف نہیں ہو سکتے جیسے یاستہائے متحدہ امریکہ کے کسان بھڑکے تو گورنمنٹ نے ان کے لیڈروں کو جیل میں دھکیل دیا - اور اس طرح تمام جگہوں میں تحریک پیدا ہو گئی - اور .... آخر کار سرکار کو ان کے مطالبات تسلیم کرنے پڑے - گورنمنٹ کے پاس امن قایم رکھنے کے لئے بہت وقت ہے - بجائے اس کے کہ عقلمند اشخاص کو کسی زمین کی دوسری پیداوار کے کام میں لگایا جاوے - یہ رائے صرف ہندوستانی محرکوں ہی کی نہیں - بلکہ غیر جانب دار انگریز مسٹر آرنلڈ لپٹن جیسے شخص کی بھی ہے - جس کا مقصد ہندوستان میں آکر کتاب لکھنا ایک دوسرے کے برخلاف منافرت پھیلانا اور ان کو (ہندوستانیوں کو) سفید چمڑے والے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل کرنا نہیں بلکہ اس حقیقت کو بچشم خود دیکھنا ہے کہ کوئی ملک واقعی ایسا غریب نادار برباد شدہ اور بغیر کسی مدد کے ہے - جیسا کہ ہندوستانی

ایجی نے ٹر فخریہ کہتے ہیں مسٹر موصوف نے مغرب سے مشرق اور جنوب سے شمال تک سیر کی انہوں نے گورنراور زمین پریزیڈینسی گورنروں سے ملاقات کی وہ سول سروس کے انگریز آفیسروں اور ہندوستانی شرفا سے ملے ہیں۔ وہ گاؤں اور کھیتوں میں گئے مزدوروں اور کسانوں سے گفتگو کی انکی جائے رہایش کا بچشم خود ملاحظہ کیا اور ایک غیر جانبدارانہ رائے قایم کی گورنمنٹ اور لوگوں میں یکساں تحریک پیدا کرنے کیلئے لکھا۔ وہ امریکن محرک تھا بلکہ ایک بہت اچھا انگریز تھا۔ اور اچھے انگریز اپنے ملک میں رہ کر بھی گورنمنٹ کو نہیں بھلاتے مسٹر لیٹن کی رائے میں اگر ہندوستان کے عقلمندوں نے تقدیر کی رہبری کی تو ہندوستان میں غریب جماعتوں کی بہت کثرت ہو جائیگی۔

مسٹر لیٹن اپنی کتاب "خوش نصیب ہند"

میں لکھتے ہیں "وہ پہلو اور مضمون جس کو میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اور جسپر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ وہ سادہ طریق پر زندگی بسر کرنا۔ ہندوستان کی دولت مفلسی صحت و امراض ہے۔ میرے خیال میں برطانوی حکومت کے لئے یہ باعث شرم ہے کہ اس کے اس بڑی تعداد میں شہری متواتر بھوکے رہتے ہیں۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ گاہے قحط کا الزام حکومت پر آئے۔ جب بارش نہیں ہوتی تو کھیتی پیدا نہیں ہوسکتی اس صورت میں سخت مشقت کرنا اور خوراک کی کمی ہو جاتی ہے۔ میں

یہ نہیں کہتا کہ یہ مشقت بڑے آدمیوں کے لئے خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ اگر مجھے یہ کہا جائے کہ پانچ کروڑ ہندوستانی رعیت یکم جنوری سے آخر دسمبر تک کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی بغیر کسی اتفاقیہ دعوت کے۔ جیسے کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی جس پر کہ روپیہ ادھار لے کر لگایا جاتا ہے۔ جو آخر کار باپ کے کندھوں پر تمام عمر کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت میں کہہ سکتا ہوں کہ ملک میں کچھ نقص ضرور ہے۔ اور حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ لوگوں کی مالی حالت کا اندازہ کرے اور ان کو ترقی دینے کے لئے مناسب کفایت شعاری کے طریق اور قانون نافذ کرے تاکہ باشندے آب و ہوا کے مطابق اچھا کھائیں پہنیں۔ اور عمدہ طریق پر زندگی بسر کریں۔ حفظان صحت کے اصولوں پہ لوگ پابندی کرتے ہوئے زندگی نہایت آرام سے گذاریں قومی خیر خواہی کی یہ پہلی شرائط ہیں۔

اگر میں ہندوستان کا گورنر جنرل ہو جاؤں تو میں تبت یا جنوب مغربی یا میر جھگڑوں میں ہرگز نہ پڑوں۔ اور نہ ہی امیر افغانستان کو چھیڑوں اور نہ ایران کی طرف سے فکر کروں۔ بلکہ یہ کوشش کروں کہ حکومت برطانیہ ہر قسم کی تدابیر سے مجھے مطلع کر دے تاکہ میں ہندوستان کی کفایت شعاری کی حالت کو درست کر سکوں۔ اور ایسی حالت کر دوں کہ اس کی دوسری ممالک کے ساتھ بطور مقابلہ تشبیہ دی جا سکے۔ مگر ہندوستان

کا گورنراس جماعت اور طبقہ میں سے نہیں آیا جو مشقت کو معلوم کرسکے اور جو کاشتکاروں کی مزدوری کا خیال کرسکے یا ان کی خوراک کی جانب نظر کر سکے کہ بقاءِ صحت کے لئے کسقدر کھانا ان کے لئے ضروری ہے - ان کے (گورنر جنرل اور گورنمنٹ کے) قلوب صرف فوجی طاقت کی تکمیل کی طرف راغب نمائشی اور کھیل کے سامانوں کی طرف مائل ہیں - اس کے برخلاف اگر ہمکو اپنی کام کرتے ہوئی جماعت میں سے گورنر جنرل یا کوئی انجنیر جو کہ ایسے کاموں کی ماہر ہو بھیجنا پڑے ....

تو سب سے پہلی بات جو وہ دریافت کریگا وہ یہی کہ وہاں کی کاروباری جماعت کی کیا حالت ہے - اور وہ زیادہ تر اپنا وقت ان جماعتوں کی بہتری اور بھلائی کی سوچ میں گذاریگا کہ کس طرح ان کی تکالیف میں کمی کی جاسکتی ہے -

یہ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ آگسٹس فخریہ کہا کرتا تھا کہ اس کو روم کا شہر اینٹوں کا بنا ہوا ملا - مگر اس نے اس کو اس حالت میں چھوڑا جبکہ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا - اسی طرح موجودہ امیر گورنر جنرل فخر کرسکتا ہے - کہ اس نے شہر دہلی کو کھنڈرات پایا - مگر ایک عالیشان اور فلک بوس عمارات کی حالت میں چھوڑا مگر ایک کاروباری طبقہ کا گورنر جنرل اسبات پر اتر اتا کہ اس نے ہندوستانی کاشتکاروں کے معاوضے بڑھا دئے - جب وہ آیا - تو اس وقت فی یوم چار آنے تھے - مگر جب اس نے ہند کو

خیر باد کہا تو فی یوم بارہ آنے تھے حالانکہ ضروریات زندگی کا بھاؤ
اسی ٹھکانے پر تھا - اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا مخز مبارک ہو سکتا
ہے - میرے خیال میں برطانوی قوم کو ہندوستانی حکومت پر ایسی کرمانہ
عنایات کرنی چاہئیں

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا ملک دیکھنے میں نہیں آیا کہ جس میں
319000000 مہذب اشخاص بمعہ اپنی شاندار گذشتہ و
قدیم تاریخ کے اس قوم کی رعیت ہوں جس کی کل تعداد 47000000
افراد پر مشتمل ہے - اور جو سات ہزار میل کے فاصلہ پر رہتی ہی
یہ برطانوی قوم کا ضروری فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ ایسے اعلے
کاموں کی طرف مبذول کرے کیونکہ اس سے اس کے دامن کو
دھبہ لگنے کی بجائے اس کی قدر و منزلت ہو گی کیونکہ گورنمنٹ
کا ہر محکمہ یہی چاہتا ہے کہ اسے اپنے متعلق ہر طرح کی آزادی
حاصل ہو -

مذکورہ بالا تحریر کے ساتھ مس میو کی تحریر کا مقابلہ کیجئے - وہ
ایک میلے پر گئیں اور دیکھا کہ کاشتکار جوتے اور سیگریٹ خرید
کر رہے ہیں - ثبوت پیش کرتی ہے کہ اگر وہ حقیقتاً غریب ہیں
تو جوتے اور سیگریٹ کیوں خریدتے ہیں - اگر وہ احاطہ مدراس
میں جا کر دیکھے تو معلوم ہو جائیگا - کہ بڑے بڑے امرا اور صاحب
ثروت اشخاص ننگے پاؤں پھرتے ہیں - اور اس طرح اپنی مفلسی
کا اظہار کرتے ہیں - پھر کہتی ہے فروری ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ

کے میلے پر تمام سستے قسم کے بوٹوں کی آمدنی ایک ہزار پونڈ تھی جس میں بیس فیصدی منافع ہوا۔

صرف سگریٹ اور ماچس ہی خوشحالی کی علامات نہیں۔ بلکہ ایک ریلوے ٹریفک بھی فارغ البالی کی علامت ہے۔ تیسرے درجہ کے مسافروں کی بہت زیادہ تعداد بھی اس امر کی نشانی ہے کہ ہاتھ میں روپیہ ضرور ہے۔ کیا ریلوے کے معرض وجود میں آنے سے قبل سفر بند تھا۔ بہار اور صوبجات متحدہ میں ریلوے کے کھلنے سے ایک لاکھ ملاحوں کا رزق مارا گیا اور وہ بیکار ہو گئے اگر مس میو نے ریلوے سے پہلے کا زمانہ دیکھا ہوتا جبکہ گنگا اور جمنا کے کنارے ملاحوں کا ایک جم غفیر رہتا تھا۔ تو نہ معلوم وہ کیا کہتی

بازاروں کی بابت مس میو کی روشن تشریح کا دیگر وقت کے سیاحوں اور مسافروں کی تحریر سے مقابلہ کریں کہ بازاروں میں بیرونی ممالک کی سگریٹ اور چھتریاں نہایت ارزاں قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں ایک سیاح فلی مور لکھتا ہے " اس کی زمین کی بدولت دور کی اقوام نے پرورش پائی " ٹیورنیر ایک دوسرا سیاح جو کیسمبازار (بنگال کا ایک شہر ہے) کی بابت لکھتا ہے۔ یہاں سے ہر سال ۲۲۰۰۰ گٹھے سلک کے جن کا وزن ۰۰۰۰۰ ۲۲ پونڈ ہوا کرتا تھا۔ (۱۶ اونس کا ایک پونڈ) باہر جایا کرتے تھے۔

مسز بسنت کہتی ہیں "اس قدر دولت کی فراوانی نے یورپین اشخاص کو ہندوستان آکر پیپل کے درخت کو ہلانے پر مجبور کیا سابقہ افراد کی کہانیوں نے انہیں بھی سونے کی جانب کھینچا۔

مس میو نے اچھوتوں کی بدبختی کا نقشہ جنہیں کہ وہ لاکھوں کی تعداد میں رہتے ہیں نہایت دردناک الفاظ میں کھینچا ہے

"ان کے ناموں سے ہی بدقسمتی اور بے عزتی عیاں ہوتی ہے ان میں سے اکثر تو صرف صفائی اور رات کا گرد اور گری پڑی اشیاء کی صفائی کے لئے ہی مقرر کئے گئے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں پتہ نہیں کہ انہیں کیا کام دیا گیا ہے۔ اور وہ نہایت ہی مکروہ عادات کی تحت میں زندگی بسر کرتے ہیں سب کے لئے کام سیکھنا ایک بالکل ممنوع قرار دیا گیا ہے"

یہ ہے خوفناک غلامی ولبرفورس کے باشندوں میں اس کا کیوں رواج ہے سو سال سے کم عرصہ کا واقعہ ہے کہ امریکن کاشتکاروں نے لارڈ گرے کی وزارت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ غلامی کا انسداد کرنا چاہتا تھا۔ مورخ کہتا ہے

"حالانکہ غلاموں کی خرید و فروخت بہت عرصہ سے مسدود ہو چکی مگر تاہم اس کا وجود ضرور باقی ہے۔ اور مغربی ہند کے کاشتکار اس رسم بد کی مٹانے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ بہت سی پورانی مثالیں ہیں مگر ان سے پارلیمنٹ کو چنداں مدد نہیں ملتی فرض کرو کہ غلامی کی بابت سوال نہ ہی اٹھایا گیا۔ مگر کیا

انگلستان گذشتہ بدبخت زمانہ سے انکار بھی کر سکتا ہے؟ کیا پہلے قانون نے غلامی کے انسداد کے لیئے کوئی کوشش کی ہندوستان میں چونکہ اچھوتوں کا وجود ہے اس لیئے اور صرف اسی لیئے ہمکو کہا جاتا ہے کہ ہندوستان اپنی حکومت کے ناقابل ہے۔ مانٹگو کی ترمیم غلط ہے - ہندوستانی ایک وحشی قوم ہے اور ان کی نجات صرف انگریزی سویلین ( ) اور امریکن مشنری کے ساتھ ہے۔

ہم بد بخت کرنیوالے کو کوئی اور راستہ نہ مل سکا کہ اپنے دل کی اچھی طرح بھڑاس نکال سکے۔ ہندوستان ڈیڑھ سو سال سے پرائے کے قبضہ میں ہے - مگر آج تک اچھوت کی اس رسم بد کے مٹانے کے لیئے کوئی بھی قدم نہ اٹھا سکا کیونکہ بقول مس میو یہ ایک غلامی ہے - کیا یہ اتنی مدت سے قابل ترمیم و اصلاح نہ تھا کیا قانون کے نافذ کرنیوالے ذمہ واران نے اس اچھوتی کو مٹانے کی سعی کی ہے؟

اچھوتوں کو درست کرنے اور ان کو ترقی پر پہنچانیکی یہی ترکیب ہے کہ انہیں رائے دینے کا حق دیا جائے۔ مگر پرانے عقیدہ کے لوگ جو مجلس قانون سازان میں ہونگے وہ اس پر آتش زیر پا ہو جائینگے - کیونکہ وہ مدت سے الگ ہٹتے چلے آئے ہیں - اور وہ اپنے انسی اعتقاد کو ہمیشہ اسی اصلی حالت پر رکھنا چاہینگے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایک ہمدرد انگریز کسانوں کی حالت

پر کیا کچھ کہ سکتا ہے اور یقیناً اچھوتوں کی حالت تو ان سے بہت ہی خراب ہے۔ ان کے پاس رہنے کو مکانات نہیں۔ وہ یا تو درختوں کے نیچے رہتے ہیں۔ یا غار اور گڑھوں میں مانند خرگوشوں کے۔ اور یا وہ اپنی زندگی کے دن گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں گذارتے ہیں جنکی دیوار کچی مٹی کی بنی ہوئی ہیں۔ مالا بار میں تو اچھوت اپنے آپ کو برسات اور سورج کی حدت سے بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ انکی زندگی اعلے طبقہ کے لوگوں کی افتادہ مردار اور غلیظ اشیاء سے بسر ہوتی ہے اور وہ چوہے مینڈک۔ سانپ اور کیڑے مکوڑے کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔ بے شمار اچھوت کمزور اور ان کی شکلیں بگڑ چکی ہیں بہت سے بوڑھے اور ناتوان ہیں مگر مس مینو ان بے کس و بے مددگار اور خدا سے دور افتادہ اچھوتوں سے ہمدردی رکھتی تھی تو کیا وجہ ہے کہ اس نے گورنمنٹ سے پرزور الفاظ میں ان کیلئے سفارش نہ کی اور کیوں ان کی مدد کے لئے مجبور نہ کیا؟

برٹش گورنمنٹ کو صرف عرصہ بیس سال سے ہی کونسل اور محرکوں نے ستایا ہے۔ اچھوتوں سے انصاف اور اس سے منکر ہونیوالا کوئی قانون ساز برہمن نہ تھا۔ امریکن مصنفہ نہایت ہمدردی سے اس بات کو مانے کہ اچھوتوں کی تمام تکالیف کہ وہ گلیوں میں گری پڑی اور سڑی اشیاء اور مردار کھاتے ہیں کا ذمہ دار وہ حریص برہمن ہے جو کہ کونسل میں صرف اپنی آسایش در آرام کی بات کہتا ہے۔ مگر ان خدا کی خاموش ہستیوں کی بابت ایک حرف تک

نہیں کہتا۔ خیال کریں کہ قریباً ایک صدی کے قبل سے اب تک گورنمنٹ کیا کرتی رہی۔ جبکہ کونسل اور قانون صلاح نہ تھا۔ کیا گورنمنٹ ہند نے اچھوتوں کو وہ سب کچھ دیا۔ جو کچھ کہ اس نے اپنے محتاج و اپاہجوں کو دیا تھا۔ مسس میو یہی کہیگی کہ یہ تمام پبلک کے معاملے ہیں۔ مگر گورنمنٹ کو یہ ضرور خیال ہونا چاہیئے کہ پبلک کے وہ معاملات جن کو پورا کرنے سے پبلک خود عاجز رہی۔ ان کو پورا کرے۔ انگریز مورخ لکھتا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی کہ محتاجوں اور بھکاریوں کا پوری طرح سے انتظام ہوجائے۔ اور قانون بھی جاری کیا گیا مگر ناکام رہ کر آخر یہ معاملہ پادریوں کے سپرد کیا گیا۔ نئے قانون کی رو سے ایک قابل آوارہ آدمی کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ بصورت انکار مقید رکھا جائے۔ مگر ضعیف و ناتوانوں کو ان کے نگرانوں کے سپرد کیا جائے۔ جو کہ بستیوں سے کچھ جمع کرکے انکے کھانے اور رہائش کا انتظام کریں۔

ہم نے ہندوستان کے بارہ میں کوئی ایسی بات آج تک سنی اور نہ کوئی ایسی تحریر پڑھی گورنمنٹ ہند نے بالکل کوئی نظر ہی نہیں کی حالانکہ طبقہ غربا میں بیسے شخص بے شمار ہیں جو بالکل غریب و ناتوان ہیں۔

انگلستان میں غربا اور مصیبت زدگان کے لئے ...... پونڈ تک منظور ہو چکی ہوئی تھی۔ مگر ۱۸۳۴ء کے جدید قانون کیوجہ سے غربا کے لئے بجائے اسی لاکھ کے صرف سینتالیس لاکھ پونڈ منظور کیا گیا

مگر کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ نے ہندوستان میں اچھوتوں کی مدد کے لئے کوئی رقم مقرر نہیں کی مس میو جواب دے

گیارھواں باب

غلامی کی ذہنیت

مس میو اپنی بڑھتی ہوئی بے چینی کو نہ روک سکتی ہوئی ہندوستانی قوم کو ہی نہیں بلکہ اس کے بچوں اور عورتوں پہ بھی اعتراضات کا طومار باندھتی ہوئی لکھتی ہے کہ ہندوستان سب کا سب سوراج کے ناقابل ہے اس سے اس کی استعداد و قابلیت کا کافی پتہ ملتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہندوستانی مائیں اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو مخرب اخلاق عادات کی بخوشی اجازت دیتی ہیں اور انہیں ایسی عادات کے سکھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ اچھے اور خوبصورت لڑکے بڑے آدمیوں کے سپرد کر دئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ ان سے غیر قدرتی طریقہ سے نفسانی حظ حاصل کریں۔ میں اس کے الفاظ بعینہ ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

"ملک کے بہت سے حصص شمال اور جنوب میں خورد سال لڑکوں کو اگر وہ بظاہر خوبصورت ہوں تو سکھایا جاتا ہے۔ اور ان کو جوان

اشخاص کی خواہش اور حظ و لطف کے لئے جدا کیا اور بھیجا جاتا ہے۔ یا ان کو باقاعدہ مندر میں ایک بدکار اور فاحشہ عورت کی صورت میں رکھا جاتا ہے۔ بمطابق رواج والدین اس میں کوئی ہرج اور نقصان نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس امر پر نازاں ہوتے ہیں کہ ان کا لڑکا دوسروں کو خوش کرنے کا باعث بنا ہے۔ یہ امر جہالت اور بے عزتی کا باعث نہیں خیال کیا جاتا۔ حقیقتاً وہ بھلائی اور برائی دیکھنے میں اسقدر دور ہیں جسقدر کہ ہم نزدیک تر۔ جیسے ہم میں ماں خواہ بڑے خاندان اور اعلےٰ گھرانے کی ہو۔ یا ایک غریب طبقہ کی مگر وہ اپنی لڑکی کو اچھی طرح سلائیگی اور لڑکے کو بہادر بنانے کی کوشش کریگی۔ مگر ایسا کبھی نہ ہوگا۔ کہ اس کی بدعادات کو خاموشی سے دیکھتی رہے۔ جس سے کہ اس کی آئندہ زندگی پر بہت برا اثر پڑے۔

دنیا کے تختہ پر رہنے والی سب سے صاف و ستھری قوموں کو معلوم ہو کہ وہاں جہاں کہ مذہب یہ سکھاتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں خدا کا ظہور ہیں۔ ان کے لئے ایسی فضول باتیں کہنا کفر ہے ہندوستانی مستورات قومی ناموس کی محافظ اعلےٰ صفات کی مجسمہ ہیں۔ اس میں لڑکیاں عورتیں اور مائیں سب شامل ہیں ہندوستان کے بعض حصوں میں آدمی نے بوجہ اپنے جنسی اقتدار قدرے برائی حاصل کرلی ہے۔ اور اکثر جگہ عورتوں اور مردوں کا حق برابر ہے۔ ہندوستان کے دیگر حصوں میں عورتیں پردہ

میں رہتی ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت میں رہنیوالی مستورات کی زندگی میں دوسری جماعت کی عورتوں سے بہت تھوڑا فرق ہو گا۔ اور عموماً مرد وزن کی زندگی میں کم و بیش فرق ضرور ہوتا ہے۔ ایک انگریز شاعر کہتا ہے۔

"خدا نے عزم و حوصلہ اور بہادری کیلئے آدمی کو پیدا کیا۔ کشش شیرینی شرم اور ملائمت میں عورت کو بڑھا دیا۔ وہ صرف خدا کے لئے ہے اور یہ خدا کے لئے اور خدا اس میں موجود ہے"

منو کے قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے۔

"فرائض شناس لڑکیاں اپنے والدین کی فرمانبردار ہوتی ہیں خاوند اپنی فرض شناس عورت پر حکمرانی کرتا ہے۔ بیٹا بیوہ اور بڑھیا ماں کی محافظت کرتا ہے۔ اس طرح عورت کی زندگی کبھی کسی فرض سے سبکدوش نہیں ہوتی" اپنے خوش ہونے کے لئے مذکورہ بالا خیالات لطیفہ کو برا کہو یا ناقابل عزت یہ اختیار ہے ہر شخص اپنی نیک و بد رائے کے اظہار کرنیکا مجاز ہے۔ ایک شخص یہ کہنے کا مستحق ہے۔ کہ آدمی اور عورت کی زندگی میں فرق ہے۔ عورت کے رہنے کا طریق الگ۔ زندگی کی شاہراہ پر چلنے کا اصول جدا۔ اور اس کی دلچسپیوں میں حصہ لینے کا رستہ علیحدہ۔ اس جنسیت کی بحث میں ہر ایک کی رائیں جدا جدا ہیں۔ مس میو بحیثیت ایک نہایت ذی شعور اور عقلمند ہونے کے یہ کہنے کی حقدار ہے۔ اور وہ پردہ سے متعلق جو چاہے کہ سکتی ہے۔

کیونکہ دنیا سے عقلمند جو ٹھہری انکے متعلق اس کے پاس کوئی ثبوت ہی نہیں جن کی عادات و اطوار سے وہ بالکل نا بلد تھے - اس کی معلومات کا ذریعہ نہایت کمینے قلوب ہیں اور اس کی رہائش بھی ایسے ہی ماحول میں ہوئی - اور انہی کو وہ خوش کرنا چاہتی ہے اور ان کے بنائے ہوئے حالات کو وہ کبھی غلط خیال نہیں کرسکتی

ہندوستانی عورتوں کے حملہ سے کم خطرناک وہ تہذیب حملہ جن کے اخلاق کی برابری میں دنیا کی کوئی قوم نہیں اٹھ سکتی - اس کا کم خطرناک حملہ ہندوؤں کے شیوجی مہاراج پر ہے - اسلئے کہ وہ تمام کائنات کا خدا ہے اور وہ کیلاش کی پہاڑیوں پر بموجب پرانوں کی تحریر کے مقیم ہے - تا کہ امریکن سیاحوں کے اتفاقی حملہ کی رو سے محفوظ رہ سکے

شیوجی مہاراج ہندؤں کے سب خداؤں سے بزرگ اور بڑے ہیں - اس کے اعضائے تناسل کی تصویر مندروں میں سڑکوں پر گھروں میں لگی رہتی ہے - اور بطور تعویذ انا لوں کے پاس رہتی ہے - اس عضو مخصوص کی روزانہ اس کے پیرو پوجا کرتے ہیں " یہ مِس میو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے

میں برہمنوں کا برہمن ہوں - میں اپنے طفلی کے عالم میں شیوجی کی پوجا کرتا رہا ہوں - اور میں نے شیو کے بت پر پانی ڈالنے کی پوجا کی ہے - پوجا سے قبل ہر روز میں نہایا کرتا تھا -

اور یہ میرا دستور العمل تھا - مگر اب سال ہا سال سے میں نے یہ عمل ترک کر رکھا ہے - مگر میں نے اپنی پوجا کے زمانہ میں عضو مخصوص کبھی نہیں دیکھا جیسا کہ مس میو کو معلوم ہوا ہے - کہ شو کے عضو مخصوص کی پوجا کیجاتی ہے - اور مجھے سب سے پہلے اس بات کا پتہ صرف مس میو کی کتاب مدر انڈیا سے ہی لگا ہے - جہاں تک میرا علم ہے - یہ بعض کور بین اور کوتہ نظر پادریوں کا نتیجہ ہے پادریوں نے خود یہ بات کسی شو کے مخالفوں یا بت شکنوں سے سنی ہو گی - جو کہ بت پرستی کو مطعون کرتے ہیں یہ بحث انسان کو مانند دوسری مذہبی بحثوں کے بالکل برباد دینے والی ہے - کیا بے دین ولامذہب شخص عیسیٰ مسیح کی پیدائش کے متعلق حضرت مریمؑ پر بہتان نہیں لگاتے رہتے ہیں۔

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق شیوجی تین خداؤں میں سے ایک ہے - برہما پیدائش کا دیوتا ہے - وشنو حفاظت کا اور شیو بربادی کا دیوتا ہے - شوجی کی جو خراب تشریح مس میو نے کی ہے - یقیناً وہ شوجی کی مقدس تحریر کے مطابق نہیں - کہ وہ برباد کنندہ ہے - پیدا کنندہ نہیں ہندوؤں کے دلوں میں شوجی کا روحانی انکشاف بربادی اور خود بینی پورے طور پر جاگزیں ہے - اسجگہ ایک کہانی جو کہ میں نے اپنے عالم طفلی میں سنی تھی - بیان کرتا ہوں وسوانا تھ جس کا دوسرا نام شوجی ہے - ایک دفعہ اپنی خدائی چھوڑ کر مرگھٹوں میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں اس نے مُردوں کی جلی

ہوئی خاک اپنے جسم پر مل لی اور اس طرح سے اس نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا اس کے آگے دیکھئے شو جی کے پاس ایک انسانی کھوپڑی تھی جس میں کہ وہ بھیک مانگا کرتا تھا۔ مقام غور ہے کہ ساری خدائی کا مالک اس طرح ذلیل و خوار پھرے یہ صرف خرافاتی ذریعہ ہے۔ اور اس سے بچوں کے قلوب پر یہ نقش کیا جاتا ہے انسان فانی ہے۔ عزت اور دھن کچھ نہیں اور وہ یکروزہ حیات کے لئے کیوں کسی کو تکلف اور نقصان پہنچائے۔ کیا مغرب میں ہر ایک طالب علم لایعنی اور مافوق الفطرت کہانیاں زہرہ مشتری مریخ اور اسی قسم کے دیگر دیوتاؤں کے متعلق نہیں پڑھتا۔ کیا ان میں سے ایک نے اپنی چھڑی کی مدد سے ایک کو سور کی شکل میں تبدیل نہ کر دیا تھا؟۔

امریکن مصنفہ آگے لکھتی ہے "جنوب میں وشنو کے پیرو بہت ہیں ان میں وائل عمر ہی سے ماتھے پر نشان شروع کر دیئے جاتے ہیں اور اگر انہیں اس کی بابت پوچھا جائے تو لایعنی باتوں میں ٹال دیتے ہیں" ہندوؤں کے لئے یہ قومی نشان ہے۔ اس امر کا کہ اس نے صبح اٹھ کر اپنی رسم کے مطابق غسل کر کے صبح کی پوجا سے فراغت حاصل کر لی ہے۔ ان رسوم کے برخلاف پنجاب میں مصلح قوم اٹھے۔ جنہیں قابل فکریہ اصحاب ہیں۔ رشی دیانند سرسوتی پنجاب میں جس نے آریہ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ راجہ رام موہن رائے اور کیشاب چندر سین جنہوں نے برہمو سماج کی بنگال میں

تحریک جاری کی۔

دیانند سرسوتی ہندوستان کا مارٹن لوتھر تھا۔ اس کی تعلیم نے تمام پرانوں کی ترقی کو روک دیا۔ اور لاکھوں اشخاص نے اس کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس نے تمام افراد کو سابقہ ویدک دھرم کی جانب پھیرا۔ آریہ سماجیوں میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں وہ ادنیٰ قوموں میں وہ کراہی ترقی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اخلاقی اور عملی ہر طرح سے وہ ترقی کرتے جا رہے ہیں انہوں نے بچپن کی شادی کی بری رسم سے نجات حاصل کر لی ہے۔ وہ لڑکیوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان میں سے ہزاروں نے پردہ کو اتار پھینکا ہے۔ وہ اپنے سکول اور کالجوں کا خرچ گورنمنٹ سے نہیں حاصل کرتے۔ بلکہ پبلک خود ان کا بار اٹھاتی ہے۔ اور آریہ سماج اپنی تبلیغی جماعتیں سینکڑوں کی تعداد میں باہر بھیجتے ہیں۔ نہایت دلیر اور شاندار کام کرنیوالے مبلغ آریہ علے الاعلان اپنی تعلیم کو بذریعہ وعظ کے بمطابق سابقہ ویدک دھرم کے پھیلاتے پھرتے ہیں۔ انکی ملکی و قومی صلاح سے ایک مرتبہ (اب نہیں) گورنمنٹ ہند کو کچھ خطرہ ہوا تھا۔ نیز رشی دیانند سرسوتی نے تمام لایعنی بدعتوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ آریہ سماجوں کے قومی نشان (چوٹی) نہیں اور نہ ہی وہ بدعتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ سچے ویدک دھرم کے پیرو ہیں جو کہ مدت کے بعد روشنی اور وجود میں آیا ہے بوجہ اپنی بڑائی اور عظمت کے۔ اور یہ سب تبلیغی جماعتوں

کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے اور اس کوشش کی وجہ سے اور بڑھتے ہوئے سیلاب نے مسلمانوں اور عیسائیوں کی ترقی کو روک دیا۔ غالباً امریکن سیر کرنیوالی آریہ سماجیوں کی اس بڑھتی ہوئی ترقی سے واقف ہوگی۔ مگر باوجود اس کے اس کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی پر متوجہ نہیں ہوتی۔ اس نے ہزار سال پرانی اور بوسیدہ کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ مگر موجودہ کتاب کا جو ہر ہندو کے لئے انجیل کی مانند ہے اور جسے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ شہری اور گاؤں میں بسنے والے سب مانتے ہیں۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔

صوبجات متحدہ راجپوتانہ اور پنجاب کے آریہ ہندوؤں کی طرح جو کہ برطانیہ کلاں کی آبادی سے دوچند ہیں بنگال میں برہمو سماجیوں کی تحریک زوروں پر ہے۔ بچپن کی شادی کی برائیاں جن کی بابت مس میو نے خوب گوہر افشانی کی ہے۔ بنگال میں نہایت تیزی سے مخالفت ہو کر یہ رسم بد اڑتی جا رہی ہے۔ شادی بیوگان کی تحریک جس کی مخالف گورنمنٹ بھی تھی۔ اور اس نے اس معاملہ میں کوئی امداد بہم نہ پونچائی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے یہ معاملہ مجالس قانون سازان میں بھی مناسب طریق پر پیش ہو گیا ہے غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیاں اٹھارہ اور انیس برس کی عمر میں بنگال صوبجات متحدہ اور پنجاب میں عام دیکھنے میں آتی ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں مل کر کھانا اب ایک زندگی کا روزانہ مشغلہ بن رہا ہے۔

پرُ حوصلہ اور امنگ سے معمور قلب کے لئے سوشل ریفارم نہایت ہی

سست تھی۔ حال ہی میں ملکی تحریک نے اس پر روشنی ڈالی ہے مگر پھر بھی یہ قابل افسوس ہے اور ناگزیر کیونکہ جب بربادی کی انتہا ہو جائے اسی وقت ترقی کی انتہا ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک سوراجسٹ کا قول ہے۔ گو بربادی ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ مگر دوبارہ جاگے اور اٹھے ہوئے افراد اپنی ترقی کے حصول کے لئے بری طرح سے بے چین ہوتے ہیں۔ تصور جو ہو گا وہ یہ کہ ملکی اور قومی اصلاح ہو۔ مگر قومی جھگڑوں میں خیالی اصول اور قاعدے اکثر پہلے طبقہ والوں سے واپس کر دئے جاتے ہیں جو نہایت کارآمد ہوتے ہیں۔ ایک سوراجسٹ کا قول ہے "سوسائٹی کی اصلاح اور درستی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت مقرر کی جائے" ایک غیر ملکی اور اجنبی گورنمنٹ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنا رعب داب قایم رکھے۔ اگر رعب داب کی کوئی ڈھال اور بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے تو لوگوں کا تعصب ہے۔ اس لئے انگلو انڈین گورنمنٹ کو اپنی کم علمی اور کم مایگی پر شرمندہ نہ ہونا چاہیئے کہ وہ سوسایٹی کی اصلاحی تحریک کو عملی طور پر مدد نہ دے سکے۔

انگلستان میں سوسائیٹی کی اصلاحی تحریک کامیاب ہو سکی اس لئے کہ وہ خود مختار ملک ہے۔ یکے بعد دیگرے لیڈر اصلاحی آواز بلند کرتے رہے اور ان کے لئے انتخاب ہوئے۔ ایک جماعت دوسری سے ہمسری کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی۔ ایک موقعہ پر مصیبت زدہ پارٹی نے اپنا آپ سنبھالا

اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ میں وہ ضمانت نہ دے سکے تو انہوں نے فوراً پتیرا بدلا اور دوسری جانب ہو گئے۔

یہ خود مختاری اور جماعتی اصول ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ موجودہ انگلینڈ اس حالت میں ہے۔ انگلستان میں پرانی جماعتیں حکومت اور رعب داب کیوجہ سے ذلیل ہو گئی ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی اس لئے معرض وجود میں آئی کہ وہ سوسائٹی کی اصلاح کی اعلےٰ تدابیر سوچ سکے۔ ایک ناخوش اور غیر قانع حکومت اب بھی سی صورت میں ترقی کر سکتی ہے کہ وہ ناخوشی کے اسباب کو دور کر دے بداخلاق اور غریب اشخاص اب بھی خواہ گھر پر ہوں یا دیگر ممالک میں بداخلاقی کے عمیق غار میں گرنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک سوراجسٹ فصیح کہتا ہے "غیر خیال جماعتوں میں برائی کے جمع کرنیکا خیال انگلستان کے صاحب شعور افراد میں بہت قریب تر ہے۔ یہ خیال ان پارٹیوں کے متعلق ہے۔ کہ جو جنگ کے قابل اور آمادہ نظر آرہی ہیں۔ اس خطرہ کو خیال میں لانے کے لئے زیادہ غور کی ضرورت نہیں کہ تیس کروڑ دور افتادہ اشخاص کو آہستہ آہستہ بلا کسی مزاحمت کے شہر بدر کر دیا جایا کریگا۔

اگر ہندوؤں کی اصلاحی گرمجوشی قدرے کم ہو جائے تو اس کے یہ معنی نہ ہونگے کہ ان کی ملکی آزادی ترقی کر گئی ہے۔ اس نے اپنے سے دوگنا بڑوں سے لڑنے کا تہیہ کر لیا ہے۔

اگر آج ہندوستان کوئی چیز چاہتا ہے تو وہ طاقت ہے۔

جس کے بغیر نہ تو قومی ترقی ہو سکتی ہے اور نہ سوسائٹی فوش،،
مس میو بیجسلیٹو اسمبلی کی چند خلاف اور مشہور بحثوں کا
حوالہ دیکر لکھتی ہے جن میں کہ سنہ ۱۹۲۵ء کے غیر سرکاری بل کی
جو شادی کی عمر کے تقرر کے لئے تھا۔ مخالفت ہوئی تھی اگر
اس کو جھگڑنیوالے اصلاح کنندگان کیساتھ ہمدردی ہوتی۔
اگر خوفناک تحریک کے محرک بجائے ہندوستانی افراد پیدا ہونے
کے اس کو قبضے میں کر لیتے۔ اُس وقت مس صاحبہ کو معلوم ہوجاتا
کہ اسمبلی میں سوسائٹی کے مصلح کس سینہ زوری سے لڑتے ہیں
اور اسی جگہ ہی جدید ہندوستان کی امید کا وعدہ لیا جاتا ہیں مس
میو کے نسبت اس بحث کے متعلق زیادہ واضح طور پر کہہ سکتا
ہوں کیونکہ میں نے اس میں حصّہ لیا تھا۔ میرا ارادہ اس جگہ اُن
آرام سے بیٹھے ہوؤں کے سامنے اس مبحث پر کچھ کہنے کا نہ تھا
یہ بات نوٹ کرنیکے قابل ہے۔ کہ اس جگہ بیٹھے ہوئے آفیسر
ہندوستانی پارلیمنٹ کی بربادی پر تلے ہوئے تھے اور تیار تھے
وہ مخالفین جن کیوجہ سے بل مسترد ہوا تھا۔ اور ترقی کرنیوالے
جنہوں نے .... اس کو سنبھالا تھا
کاش اگر ملک کی بہتری کے حکم کے لئے ملتجی ہوتے۔ تو آج
ہندوستان میں بھی انگلستان جیسی گورنمنٹ قایم
ہو گئی ہوتی۔ ٭

بارہواں باب

ملکی اور قومی فتنے

مس میو کی کتاب کو لاپرواہی سے پڑھنے والا ایک جنگ تصور کریگا کہ ایک جھگڑا شروع ہے مگر ایک ہوشیار پڑھنے والے پر یہ بہت جلد واضح ہو جائیگا گو کہ قومی احساسات بہت حد تک بڑھ چکے ہیں تاہم فضا پرسکون ہے۔ مس میو کہیگی کہ قوم کا اصلاحی لاوا اسی طرح بہ گیا۔ مس میو لکھتی ہے

"۱۹۱۹ء میں آتش ریز طوفان بپا ہوا۔ ہندوستانی کونسل کے لئے منٹو مارلے سکیم کا اجرا ہوا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام مسلمان اپنی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔ اور اپنے حقوق کی خاطر مصروف پیکار نظر آنے لگے۔ اس لئے یہ صاف معلوم ہوا کہ منتخب شدہ مجلس قانون سازان اور جو اس میں فوائد حاصل ہوں۔ ان کے لئے ہندو یقیناً مسلمانوں کو غیر راستہ سے اصلی راستہ پر لانے کے لئے عملی طور پر طیار ہیں۔

منٹو مارلے کی اصلاحات کا کسی طرح بھی جماعتوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مجلس وضعان قانون کی طاقت بہت ہی محدود تھی

اس میں شک نہیں کہ قومی حالات کا مانٹ فورڈ کی اصلاحات
سے بہت کچھ تعلق ہے اصلاحات کی بنیاد بہت بری طرح سے
غلط ہے اور یہ ملکی نہیں بلکہ قومی ہے۔ مانٹیگو کی اصلاحات کے ماتحت
اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی انتخاب مارلے اصلاحات کی
نسبت بہت زیادہ وسیع ہے۔ انگلستان کے اتحاد کی طرح
ہندوستان کا قومی انتخاب ایک الگ شئے ہے اور اسی میں
نقصان پوشیدہ ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے قبل یہودی
آزاد نہ تھے۔ اور جب وہ پارلیمنٹ کی دفعہ کے بموجب آزاد قرار
دئے گئے اس وقت انکے لئے کوئی خاص عرضی پیش نہ کی گئی تھی
برطانیہ کے یہودیوں پر اس آزادی کے سلوک کی اس جانب
غیر آزاد ہندو مسلمانوں کو بھی سخت ضرورت ہے۔ میں صاف
طور پر تسلیم کرتا ہوں کہ مسٹر مانٹیگو کی گمراہی اور بھٹکنے کی ذمہ داری
نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے مدبران کے ساتھ وابستہ
ہے۔ جب اس نے کانگریس لیگ کی اسکیم کو نامنظور کیا۔ یہ
دیا اور مہربانی کی کہ اس نے صرف برائیوں کو تسلیم کیا۔ مثلاً علیحدہ
بیان اصلاحات محض تجربہ کے طور پر تھیں ۱۹۲۹ء کے سٹیٹری
کمیشن کا مقصد صرف گذشتہ زمانہ کی غلطیوں کی اصلاح ہے
ذی شعور اشخاص انگریز ہندوستانی ہندو و مسلم اس نتیجہ پر
پہنچے ہیں کہ فرقہ دارانہ کھینچا تانی کا قومی انتخاب کیساتھ بہت
تعلق ہے۔ آئیڈلسٹ کہتے ہیں "فرقہ دارانہ انتخاب کو زمین

میں دفن کر دو اصلاح وغیرہ کچھ نہیں" اعتدال پسند اس پر کہا کرتے ہیں - "اصلاحات کے لئے کوشش کرتے جاؤ - انتخاب یک جا ہے - اور فرقہ داروں کو علیحدہ قائم مقامی سے یکجا انتخاب کے ذریعہ سے آپس میں ملالو - تجربہ کار مدبران کے کہنے کے مطابق موجودہ انتظام کو جانے دو اور جہاں تک انتخاب کا تعلق ہے ایک بڑھتے ہوئے یکجائی انتخاب میں فرقہ دارانہ قلت کے لئے نشستیں مقرر ہو چکی ہیں - اس رائے کے مطابق یک جا انتخاب ایک کامیابی ہے - اور اس کے ذریعہ بہت سی ہندو اور مسلم گاؤں کی رہنے والی جماعتیں بھی شامل ہو جائینگی - جو ابھی تک آزاد نہیں ہوئیں -

موجودہ انتظام کے ماتحت مسلمانوں کو صرف مسلمان کو ووٹ دینے کے لئے ایک علیحدہ مقام انتخاب پر جانا ہوگا - اور اسی طرح ہندوؤں کو بھی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرقہ داران انتخاب کے لئے ہر ہندو اپنی طرف کسی اعلےٰ ہندو کو اور مسلمان اپنی جانب صاحب دانش مسلمان کو ڈھونڈیگا - اعلےٰ ہندو اور اعلیٰ مسلمان البتہ پرانے ہیں مگر سب سے بڑے ہیں - اور جو ملکی اصلاحات ہیں وہ اس طرح فرقہ دارانہ اور مذہبی صورت اختیار کر لیتی ہیں کیونکہ اسے اعلےٰ آدمی پرانے عقیدہ کے ٹھیرے - مسز بیوسر مائیکل اوڈوائر اور مارننگ پوسٹ کی رائے بیان کرتی ہے جو کہ یہ کہنے میں کبھی بھی نہیں تھکلے کہ ایک حد تک فتنہ و فساد کی ذمہ دار اصلاحات ہیں جو کہ مانٹیگو کے زمانہ سے قبل بالکل نہ تھا - اور وہ ایک حد تک

درست بیان کرتی ہے۔ جو جماعتیں آزاد کی گئی تھیں ان کو ایک الگ جگہ رکھا گیا۔ انتخاب کے امیدوار اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اپنے کارکنوں اور مختاروں میں فرقہ وارانہ تبلیغ کریں اور اپنی فرقہ دارانہ خصلت کو مجلس قانون سازان میں اپنی بارٹی پر ظاہر کرکے دکھائیں

ذیل میں مطالبات کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

"کیا مہربانی کرکے گورنمنٹ بتا دیگی کہ آبادی کے لحاظ سے پولیس انسپکٹر کتنے ہیں؟" "کیا مہربانی کرکے گورنمنٹ ہند یہ بتا سکتی ہے کہ ایک ہندو پوسٹ ماسٹر کی جگہ ایک مسلمان کو کیسے مل گئی"

علیٰ ہذالقیاس انتخاب کے موقعہ پر ایک ہندو امیدوار کی تقریر بطور نمونہ پیش ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برہمن تھا اور ایک سوراجسٹ کی لیجسلیٹو کے موقعہ پر صرف اس لئے مخالفت ہوئی کہ اس نے مسلمانوں کیساتھ ملکر کھانا کھایا اور یورپین کیساتھ مئی نوشی کی سوراجیہ نے اس کا موثر کن الفاظ میں جواب دیا کہ وہ (سوراجیہ) اپنے عیب بین سے بہتر ہندو تھا۔ اس کا مذہب مطیع اور اس کا خدا پکانے کا برتن نہیں۔ مگر اس کے پاس بمطابق وید کے اچھوت کے برخلاف جہاد کرنے کی منظوری موجود ہے۔ اب اصل بات یہ ہے کہ سوراجیہ ہندو کیساتھ ایک گھرنے اور اعلیٰ اصول کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

ایک مجلس واضعان قانون کا امیدوار مجبوراً انتخاب کو جیتنے

کی کوشش کرتا ہے ۔ وہ کسی غلطی کا مرتکب ہے ۔ تو جبتک اس کے دوسرے حریف سے وہ غلطی یا یہ ثبوت کونہ پوشیدہ جائے ۔ وہ کیسے مجرم قرار دیا جاسکتا ہے ۔ اس کو (امیدوسر کو) چاہیئے کہ پرانے مقولہ پر کہ محبت اور لڑائی میں سب کچھ جائز ہے ۔ عملدرامد کر کے اپنا کام نکال لے ۔ انتخاب میں عشق اور جنگ دونوں شامل ہیں محبت ان کے لئے ہے جو اپنا وقت روپیہ اور طاقت صرف اسی لئے خرچ کرتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں ۔ جنگ ان کے لئے ہے ۔ جو ایک دوسرے کے لئے نہایت بے رحمی اور بدنیتی کی خاطر جاتے ہیں ۔ فوری مقصد صرف کامیابی ہے اور تمام اخلاقی تخیل کے لئے قوانین اور اصولوں پر سختی سے پابند رہنا چاہیئے ۔

جب انتخاب کا وقت آتا ہے ہندو سبھا کے اچھے اور اعلےٰ امیدوار .... ہندو سبھا کی طرف سے جو کہ ہندوؤں کی ایک جماعت ہے ۔ نہایت بیہودہ طریق پر کھڑے ہوتے ہیں ۔ نہایت خراب طریق پر کہتے ہیں ۔

بھائیو ہماری زندگی کی تاریخ میں ایک نہایت ہی نازک وقت آن پونچا فتنہ مانند ہیضہ اور انفلوئنزا کے بہت عام ہو گیا ہے ۔ برطانیہ کی حکومت نے نہ تو اس کے انسداد کی کوئی تدبیر سوچی ہے اور نہ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت اختیار کی کہ جس سے فتنہ دب

اور بغاوت اور صلح کے زمانہ میں سرکار مسلمانوں کی رعایت کرتی ہے۔ کیونکہ وہ تعاون کے خواہشمند ہیں۔ اور سرکار مسلمانوں سے بہت اچھا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وفادار ہونے کا دہوکا دیتے ہیں۔ دراصل آخر کو وہ بہت بے ایمان ثابت ہونگے مگر جب تک ہندو کانگریس عدم تعاون پر کاربند ہے۔ اور ذات پات کا لحاظ ہے مسلم مدبران ملکی سرکار کے ساتھ دہوکا ہی کرینگے مسلم مدبران ہندو مدبران سے زیادہ ہوشیار اور اچھے ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے اس غلامانہ تعاون میں جیت جاویں اس کے علاوہ گئو ماتا ہے جو انگریزوں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں اور بڑی تعداد میں ذبح کی جاتی ہے۔ اور اس کا ذبح کرنا ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ہم انگریزوں کے ساتھ کم برتاؤ اور کم تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اچھے اچھے آدمیوں نے عدم تعاون اختیار کر رکھا ہے۔ ہندو امیدوار مجلس قانون ساز ان کا پہلا فرض ہے کہ وہ مجلس قانون سازان میں جا کر گائے کی حفاظت کا مطالبہ کرے۔

مذکورہ بالا گذارش فرقہ دارانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس کا تعلق جاہل منتخب کنندگان اور نیم تعلیم یافتہ سے ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور ادنیٰ درجہ کی اپیل ہے وہ یہ ہے

"گئو ماتا اور گنگا اور ہندو دہرم کے مقدس دیوتاؤں کا واسطہ ہے کہ سوراجسٹ کے لئے ووٹ بالکل نہ دو کیونکہ وہ مسلمانوں

سے الگ ہو کر سوراج چاہتا ہے۔ وہ شدھی اور سنگھٹن کو نہیں مانتا اور وہ مسلم تبلیغی جماعتوں کی ان حرکات کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جو کہ ہزاروں ہندوؤں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کر رہے ہیں وہ (سوراجسٹ) مجلس قانون ساز میں جا کر ہندوؤں کی طرف کی بات نہیں کہتا۔ کیونکہ اس کا خیال فرقہ وارانہ ہے۔ اور اس کے عمل مذہبی رنگ میں ہیں"

علیٰ ہذا القیاس ایک مسلم امیدوار مسلمان ایسی ہی اپیل کرتا ہے۔ بھرے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے "ہمیں خدا کا جس کے قبضے میں ہمارے آنیوالے انتخاب کی باگ ہے شکر گزار ہونا چاہئیے۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ میرے لئے ووٹ دے۔ برادران اسلام آپ جانتے ہیں میں مسلمانوں کی اسامیوں اور جگہوں کے لئے جن پر کہ مسلمان بیکار ہندوؤں کے مقابلہ میں کام کریں۔ سینکڑوں سوالات کرتا ہوں (ایک آواز:۔ ان کا کیا حشر ہوا)" اچھا مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ اچھا سلوک گورنمنٹ کرتی ہے۔ وہ صرف میری تحریک کا نتیجہ ہے۔ یاد رکھئیے اپنی مسلم یونیورسٹی کے لئے میں گورنمنٹ سے نسبتاً زیادہ روپیہ امداد کے لئے دلاؤنگا۔ عیار پنڈتوں کی نسبت جو اپنی یونیورسٹی کے انتظام کے لئے حاصل کرتے ہیں۔"

اس کے بعد ہندوؤں پر لعنت و ملامت اور جوش میں لانے والے کلمات استعمال ہوئے۔ امیدوار جانتا ہے کہ اس کے

یہ مسلّم بات ہی کہ منتخب کنندہ قانون اصلاح کو تسلیم کرتا ہی
انتخاب کے اعلے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روپے کا
خرچ کافی ہو - مگر تاہم یہ ایک مفید پروپیگنڈا ہے یہ ہرگز مفید
نہیں ہوسکتا کہ الگ ہو کر فرقہ دارانہ طور پر خراب اصولوں کے
ماتحت اپنی قوم کے ووٹ لیکر ممبر ہو جائے - ہاں اس سے یہ
ہوسکتا ہے فرقہ دارانہ آگ سے مقام انتخاب پر کامیابی ضرور
ہوجاتی ہے - مگر کوئی مفید مطلب نتیجہ برامد ہونا مشکل ہے فرقہ دارانہ
پروپیگنڈا سے سوائے رعایا پر ظلم کے اور کچھ ہاتھ نہیں آسکتا
اور نہ ہی گورمنمنٹ کو اس سے کچھ فائدہ ہوسکتا ہی - اور یہی وجہ
ہے کہ مانٹیگو ایکٹ نہایت ہی شریف منش اشخاص نے تحریک پیدا
کرکے نافذ کیا -

مسٹر میوز بیرلب ہندوستان کی ان فتنہ انگیزیوں پر
ہنستی ہے - اور ساتھ ہی حیران ہے کہ اگر ہندوستان اپنے
معاملات کو سمبھالنے اور دیکھہ سکنے کے قابل تھا تو ان فتنوں
اور شرارتوں کا ہونا ضروری نہیں تھا - ایک سوراجیہ جواب دیتا
ہے "یہ منتظمان کا فرض ہے کہ وہ ان فسادوں اور فتنوں
کو روکیں - سوراجیہ گاندہی کے زمانہ کی یاد دلاتا ہے کہ اس وقت
عدم تعاون کرنیوالوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ ملک کی عنان
کو سمبہال سکتے ہیں -

مسٹر میو سوچتی ہے کہ عدم تعاون کرنیوالونکا ہندو مسلم اتحاد

اور انکا طرز حکومت بہت ہی ہنسی کے قابل ہے۔ ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"جنگ کے بعد ملک کی ہوا قدرے مکدّر ہوئی اس لئے اس وقت کے لیڈروں نے ایک خندہ انگیز اتحاد کا سوانگ بھرا۔ مسٹر گاندھی خلافت کی تحریک میں فوراً ان غارتگروں کے ساتھ (علی برادران کی طرف اشارہ ہے) شامل ہو گیا۔ خدا نخواستہ اگر مسلمانوں کے قدم ذرا بھی لڑکھڑاتے۔ تو منتظمان برطانیہ کو مفت میں پریشان ہونا پڑتا۔ مگر مقام شکر ہے کہ خلافت کا جھگڑا جلد ہی ختم ہو گیا اور گاندھی اور علی برادران کا اتحاد اور برادری کا صرف ایک ہی واقعہ بطور یادگار رہ گیا۔"

اس کے بعد وہ مال و جان کی تباہی اور مالا بار کی فتنہ انگیزیوں پر غور کرتا ہے۔ مالا بار کا واقعہ ناگہانی تھا۔ اور اس قسم کا سانحہ اس خوشنما حدود کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ میں ایک مالا باری ہونیکی حیثیت سے مس میو کی نسبت ان واقعات کو زیادہ وضاحت کیساتھ بیان کر سکتا ہوں۔ تمام فتنے اور فسادات خالصتہً سوسائٹی کی اصلاح کے لئے تھے۔ وہ شہری تھے اور اس صورت میں وہ پولیٹیکل کہلاتے تھے مگر دراصل انکا گاندھی کی تحریکات کیساتھ بالکل کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ گاندھی نے اپنی تحریک میں کاشتکاروں اور مزدور پیشہ کی بابت کچھ نہیں کیا تھا۔ جتنے بڑے زمیندار تھے سب ہندو

تھے - اور جو غریب مزدور تھے وہ سب کے سب موپلہ تھے - مالابار
میں مسلمان مزدور موپلہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں - ان
میں یعنی مزدوروں میں بہت جلد بارود کی مانند آگ بھڑک اٹھی اور
ان میں اس طرح فتنہ اور فساد پھیلانا اصل میں مالکان اراضی کے
متعلق تھا - موپلہ فسادیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا
آسان نہ تھا - اس کے روکنے میں سب ہندوستانیوں اور
انگریزوں نے مسلم اور ہندوؤں نے حصہ لیا - پولیس آفیسر الگ
اس کے رد کاؤ کے لئے حیران تھے - اس طرح سب کی جانیں
معرض خطر میں تھیں - مجھے ایک یورپین مالابار کے کلکٹر کا واقعہ
یاد ہے - گرمی کے موسم میں وہ قمیص پہنے پوڈانگرم کے گاؤں
کی طرف جہاں کہ فساد ہو رہا تھا - اور جہاں مشہور سید ہولیڈر
تھا جا رہا تھا - یورپین نے اپنی آستینیں چڑھائیں - کرتے کے
بٹن کھول کر مسلمانوں کے جنگی اوزاروں کے سامنے اپنا سینہ
تان دیا - پھر کیا طرفۃ العین میں تمام فساد فرو ہو گیا - اور تمام
موپلوں نے صاحب کی بڑی تعریف کی - یہ قاعدہ ہے کہ موپلے
اپنے معزز رقیب کو ہرگز نہیں مارتے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ
انکا حریف کمینہ بزدل اور کمینہ ورہے تو اس صورت میں اس کو
ہرگز نہیں چھوڑتے -

مسز میو کہتی ہے " بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی ظریف الطبع
علی برادران کی بات کو جو انہوں نے پوشیدگی سے کہی تھی نہ مانا

اور وہ یہ تھی کہ موپلوں کے لئے سوراج کے یہ معنی ہیں کہ موپلے تمام دنیائے اسلام کے حاکم ہوجائیں اور جوان کا جی چاہے کریں بت پرستی ہرگز نہ ہو اور اس طرح ہندؤں کا جینا دوبھر ہوجائے میں نے جب ان سطور پر نظر دوڑائی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ کیا مسٹر ہیو مالابار گئے بھی تھی یا نہیں اس سے آگے ورق گردانی کرنے اور پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال ہے جو صرف سنی ہوئی باتوں پر مبنی ہے اور اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس کا اصلاح کنندہ قابل و ہوشیار ایک باشندہ متحدہ امریکہ کا ایجنٹ تھا۔

سب سے پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ موپلہ لوگ گاندھی اور علی برادران کو کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ موپلے ملایالام زبان بولتے ہیں جو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حقیقت میں انکا تعلق گاندھی سے کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہ بکری کا دودھ پیتا ہے۔ اور پھل کھاکر گذارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عدم تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔ انہوں نے عدم تشدد پر مضحکہ اڑایا۔ اور کانگریس میں شریک ہوئے بیچ پوچھئے تو موپلہ اچھے مسلمان نہیں۔ کیونکہ وہ بت پوجتے ہیں اس جگہ ایک عظیم الشان مندر ہے جو عین ویکام کے سامنے ہے موپلوں اور ہندؤں کا عقیدہ ہے کہ ویکاٹھپن دیوتا سمندروں اور اس کی لہروں کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔ مندر کے پاس والے دریا میں پانی کی موجیں بہت زیادہ اونچی نہیں اٹھتیں اور چھوٹے چھوٹے

بوٹ (چھوٹے جہاز) (Boat) انکے عقیدے کے مطابق صرف ویکا ٹھپن (ہندو دیوتا) کی ہی مہربانی سے سلامت بچ نکلتے ہیں حالانکہ وہاں طوفان بالکل نہیں ہوتا - ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک مشہور ہندو وکیل ٹریوا ندرم کو مدراس سے بذریعہ بوٹ (Boat) کے جا رہا تھا اس بوٹ کا چلانیوالا موپلہ تھا - کیونکہ مالابار میں اکثر ملاح موپلہ ہی ہیں - جونہی کہ بوٹ ہندوؤں کے مندر کے قریب پونچا موپلہ نے بوٹ کو چلانا چھوڑ دیا - بوٹ میں سے نکل مندر میں دعا و صلوۃ کے لئے چلا گیا - وکیل کو بہت ہی غصہ آیا - اس نے تاملی زبان میں جس کو موپلہ جانتا تھا کہا کہ مجھے مقدمے پر جانیکی بہت ہی جلدی ہے - خیر موپلہ نے مندر سے واپس آکر وکیل کے کو منہ کو پکڑ کر کھولا اور کچھ قدرے پرشاد (شیرینی) اس کے منہ میں ڈال دیا - اور کہا بغیر ویکا ٹھپن کی اجازت کے میں یہاں سے ایک قدم آگے جانے کی جرأت نہیں کر سکتا -

دوسرے میں یہ بتاتا ہوں کہ موپلے تمام ہندوؤں کے مندروں کے محافظ ہیں - فتنہ و فساد کے نازک زمانہ میں بھی موپلوں نے پجاریوں اور بتوں کو بالکل نہیں چھیڑا اور ان کے لئے انکا چھیڑنا ایک گناہ عظیم خیال کیا جاتا ہے - اصل میں انکی زندگی کا مقصد بت شکنی نہیں ہے - وہ عربی نہیں جانتے وہ قرآن شریف کو دوسرے ہندوستان کے علاقوں کی طرح نہیں پڑھتے - خواہ شمالی ہند کے باشندے عربی میں پڑھتے سے اس کے معنی نہی

سمجھتے ہوں - مگر پڑھتے تو عربی میں ہیں - انکا اپنا مولوی ہے جو
عربی سے ناآشنا ہے - وہ نماز میں دعائیں اپنی زبان ملایالام
میں پڑھتے ہیں - عربی زبان میں نہیں پڑھتے جیساکہ تمام مسلمانانِ عالم
عربی زبان میں نماز پڑھتے ہیں -

تیسرے موپلہ عورتیں مانند دیگر مسلمان عورتوں کے پردہ میں
نہیں رہتیں - انکا مالابار سے باہر کے مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ایک
مسلمان نے جوکہ سالہا سال سے مالابار میں رہتا تھا - ایک موپلہ عورت
سے شادی کرلی - عرصہ کے بعد اس نے اپنے وطن کو جانا چاہا - اور
اپنے ہمراہ موپلہ عورت کو جوکہ ایماندار وفاشعار تھی لیجانا چاہا تو اس
نے مالابار کے علاقہ سے باہر جانے کے لئے انکار کردیا - اس لحاظ
سے موپلہ عورتیں محفوظ ہیں - وہ مالابار کے علاقہ کے باہر والے مسلمانوں
سے کوئی رشتہ داتحاد قائم نہیں کرتیں - اور باہر کی نسبت اپنے
وطن کو ترجیح دیتی ہیں - دولت اور کاروبار اون کو اس طرف راغب
نہیں کرسکتے - اور نہ ان میں ایسی چیزوں کی طرف سے کوئی کشش
ہی ہے - انکا اصول ہے کہ گھر کی آدھی روٹی باہر کی ساری سے
بدرجہا بہتر ہے - یہی ان کا اصول اور یہی انکا اعتقاد ہے -

ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر مالکان
اراضی کی طرف سے بہت سخت لگان لگا ہوا تھا - ان میں سے
بہت سے عراق کی لڑائی سے ہوکر آئے ہوئے تھے - گاندھی
کے عدم تشدد کی میعاد اور زمانہ گذرنے کے بعد انہوں نے اپنی

بے قاعدہ جنگ شروع کر دی۔ انکو قبل سے معلوم تھا کہ ان پر برطانیہ
کی افواج قابو پا لینگی۔ انہوں نے ریلوے لائنوں کو اکھاڑ دیا۔ تار
کے کھمبے گرا کر تار کو کاٹ دیا۔ ڈاک خانہ کا محاصرہ کر کے پوسٹ ماسٹروں
کو شہر بدر کر دیا۔ شہر بدر انکو کیا جو ہندو تھے۔ مسلمان سپاہیوں کے
سر اڑا دئے۔ مس میو کہتی ہے "بلوہ کے شروع میں ایک یورپین
پلانٹر (انگریز کاشتکار) مارا گیا" اور یہ بالکل صحیح ہے۔ وہ ایک نہایت
شریف اور مہربان پلانٹر ( ) تھا اس کا مزدوروں
کیساتھ بہت اچھا سلوک تھا۔ مگر اسے دھمکانا اور لڑنا نہ چاہیئے تھا
اور اصل بات یہ ہے جس کا نہ تو مس میو کو پتہ ہی ہے۔ اور نہ اس
نے اس کا ذکر کیا۔ سفید کاشتکار کی تقدیریں کئی سیاہ فام لگان
اراضی کے لئے لڑ کر مرنا تھا۔ موقعہ پر سپاہی پہونچ گئے کئی ایک
موپلوں نے پہاڑیوں میں پناہ لی۔ جب فوج جو کہ جنگلی موپلوں
میں موقعہ پر آئی تھی۔ چلی گئی۔ موپلے پھر باہر نکل آئے۔ اور اگر انہوں
نے ہندوؤں کو نہایت بے رحمی سے سزا دی اس لئے کہ انہوں نے
جا کر کیوں سرکار کو مطلع کیا۔ اور سرکار نے انکے کھانے پینے کا
انتظام کیا۔ اور اس کے علاوہ اور سہولتیں بہم پونچائیں۔ تمام ہندو
مسٹر گاندھی کے عدم تشدد والے اصول پر چل رہے۔ اور اس
لئے انہوں نے موپلوں کے تشدد کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ہاتھ
نہ اٹھایا۔ انہوں نے گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کر لیا حالانکہ وہ عدم
تعاونی تھے۔ اور یہ انکے مذہب میں داخل تھا۔ اور یہ فرض بھی

تھا - کہ وہ تشدد کے برخلاف عدم تشدد کے حمایت میں جیسا کہ مسٹر گاندہی نے انہیں سکھایا تھا - گورنمنٹ سے تعاون کریں -

موقعہ کی نزاکت کو خیال میں نہ لاتے ہوئے مسٹر گاندہی نے مالا بار جانیکا ارادہ کیا - مالا بار کے ہندو اور مالا بار کے باہر والے مسلمانوں نے مہاتما گاندہی کی جان کے خطرہ کو فوراً محسوس کیا - گورنمنٹ جو یہ جانتی تھی کہ موپلوں کی یہ کارروائی ملکی بہتری کے لیئے نہیں - اس نے (گورنمنٹ) یہ بہتر نہ جانا کہ مسٹر گاندہی کو ایسی فتنہ انگیز جگہ جانے دیا جائے - اس لیئے اس نے نہایت اچھے طریقہ سے مسٹر موصوف کو مالا بار جانیسے روک دیا - کیونکہ یہ اس کا فرض منصبی تھا - علی برادران نے بھی مالا بار جانا چاہا - ان کی منشا یہ تھی کہ جاکر موپلوں کا گورنمنٹ کیساتھ تعاون کرادیں مگر ان کو بھی نہایت عقلمندی سے روک دیا گیا - کیونکہ علی برادران کا اقتدار صرف عدم تعاون کرنے والوں پر تھا - اور عدم تعاونیوں کو موپلے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - جیسا کہ فرقہ وار مزدور پارٹی کی جانب مغضوب نگاہوں سے دیکھتے ہیں -

ایک واقعہ جس کو مسیو "گاندھی علی اتحاد" کے نام سے موسوم کرتی ہے بیان کرتا ہوں یہ کچھ کم تحیر خیز نہیں - مگر یہ طریقہ بہت ہی کامیاب تھا جس میں کہ تمام عدم تعاونی مل گئے - اور ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ ایک امن پھیل گیا - یہ نہایت فخر کے ساتھ کہا جاسکتا ہے - کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اب تک ایسا اتفاق دیکھنے

میں نہیں آیا تھا۔ اور وہ اشخاص جو متکبرانہ لہجہ میں کہتے تھے کہ ہندوستان میں ہندو بکری مسلمان شیروں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتی۔ اس اتفاق کی وجہ سے ان کے تکبر کا بالکل نام ونشان مٹ گیا اور انکا کہنا غلط ثابت ہو گیا تھا۔

لارڈ نارتھ کلف ہندوستان صرف لارڈ ریڈنگ کیساتھ کسی امر پر گفتگو کرنے کی غرض سے تشریف لائے انکا آخری پیام جو شہنشاہیت پسندی سے دور تھا۔ اور جو انہوں نے قاہرہ سے بھیجا تھا۔ بس یہی تھا کہ خلافت کو سوراج سے الگ کر دیا جائے سو خلافت خود بخود علیحدہ ہو گئی۔ اور انگورا کے ذہین ودانشمندان نے قرون وسطیٰ کے پرانے وبال کو بلا کسی وقت کے بالکل الگ کر دیا۔ خیر خواہ کچھ ہو۔ مگر گاندھی علی اتحاد کا الگ ہونا اور جدائی بالکل ضروری تھی۔

مملکت برطانیہ کے نہایت قابل اور مستند شخصیت رکھنے والے انگلستان کے لارڈ چیف جسٹس نے استعفا دیدیا اور حکومت کو آداز پرنسا بھیجا۔ گاندھی عدم تعاون کا حامی تھا۔ کیا وہ عدم تعاون کی ہونے کی صورت میں وائسرائے کی دعوت کو قبول کر سکتا تھا۔ (اس جگہ دعوت کے معنی طلب کے لئے گئے ہیں) اگر گاندھی دعوت کو قبول کرنے پر دلیار ہوتا۔ تو وائسرائے کو دعوت دینے میں تامل نہ تھا۔ لارڈ ریڈنگ نے گاندھی کے سبب سے گہرے دوست ریوائنڈ مسٹر اینڈریوز اور پنڈت مالوی جی کو بلا

بھیجا۔ ان ہر دو دوستوں کو بہت خطرہ محسوس ہوا ہندوستان میں برطانیہ کی سلطنت کے دوران میں آجتک کبھی ایسا موقعہ پیش نہیں آیا کہ وائسرائے نے ملک کی فضا میں تحریک پیدا کرنیوالوں کے سرداروں کو اپنی طرف بلایا ہو۔ مسٹر اینڈریوز فوراً ہی ٹرین میں شملے سے سوار ہو کر مسٹر گاندھی کے پاس الہ آباد پہنچا۔ اس وقت گاندھی ایک شادی میں مشغول تھا۔ گاندھی نے دعوت کو قبول کرلیا۔ عدم تشدد کی خواہ اس دعوت کے قبول کرنیکو کچھ خیال کریں جو ہونا تھا ہو گیا اور وہاں تھا اور انگریزی مدبر کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی۔ لارڈ ریڈنگ نے گاندھی سے بیان کیا کہ علی برادران نے تشدد پر تقریریں کیں اور اس نے اس کا ثبوت بھی پیش کیا۔ گاندھی نے پڑھا اور کچھ دیر تک بحث کرنے کے بعد تسلیم کرلیا۔ انگریز مدبر اور معاملہ شناس نے کہا۔ میں تمہاری اس عدم تشدد کی تحریک کو عقلمندی خیال کرتا ہوں۔ میں آپ کی اس عدم تشدد کی تحریک میں رخنہ انداز ہو کر خود رنجیدہ ہونا نہیں چاہتا۔ بشرطیکہ آپ اسے برابر جاری رکھیں مگر میں علی برادران کی تشدد کی تعلیم کے لئے ان کو گرفتار کرانے پر مجبور ہوں گا۔ اگر وہ اپنے ان سخت الفاظ کی باقاعدہ معافی نہ مانگینگے جو انہوں سے گورنمنٹ کے خلاف استعمال کئے ہیں۔ لارڈ ریڈنگ مہاتما کی زرہ کے کمزور حصہ کو قبل سے ہی معلوم کرچکا تھا۔ مہاتما گاندھی عدم تشدد کے لئے سودائی ہو رہا تھا۔ اور خود علی برادران کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اس بات کا منتظر تھا

کہ گروہ خود اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اس نے علی برادران کو صاف طور پر معافی مانگنے کے لئے کہا کہ جو انہوں نے چند ایک تقاریر تشدد کے بارہ میں عوام میں کیں علی برادران اکھڑ گئے۔ اور مہاتما گاندھی کی نصیحت کی مخالفت کرنے کے درمیانی کشیدگی کو دور کرنے کی غرض سے رنجیدہ خاطر ہو کر انہوں نے مہاتما کی بات کو منظور کر لیا۔

تحریک دن بدن بڑھتی گئی۔ ہندو مسلم اتحاد ایک مضحکہ انگیز سوانگ اور نقل تھی جیسا کہ مس میو کہتی ہے حقیقت میں ہندو مسلم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے تھے۔ ایک ہندو سنیاسی سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی میں بٹھایا گیا۔ اور اس جگہ اس کا لیکچر ہوا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جلوس اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے جلوسوں میں شمولیت کی مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں پر تلک لگائے ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے شربت پی لیا۔ ہندوستان میں ان ہر دو اقوام میں کبھی ایسی باہمی اور یکجہتی نہ ہوئی تھی۔

اس کی تحریک دن بدن مستحکم ہوتی گئی۔ اس کا انحصار ملکی معاملات کے لئے عدم تعاون کے جھنڈے تلے تھے۔ عدم تعاونیوں نے گورنمنٹ کو اس بات کا موقعہ دیا کہ ہز رائل ہائنیس پرنس آف ویلز (شہزادہ ولیعہد) کے تشریف لانے پر بائیکاٹ کر دیا جاویگا۔

مس میو کہتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں جب شہزادہ ولیعہد نے

ہندوستان تشریف لانیکا ارادہ کیا۔ اور جہاز پر سوار ہو گئے تو مہاتما گاندھی نے بوجہ اپنی ہر دلعزیزی کے ہندو دنیا کو مطلع کر کے چونکا دیا کہ اس کا آنا ہمارے لیئے ہتک اور ایک چرکہ ہے۔ اور اس نے سب کو اس کے بائیکاٹ کے لیئے واضح کر دیا۔

ملک کے کام کرنیوالوں نے تابعداری کے طور پر مشعل کو بجھا کر اپنے منتظمہ عملے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ اپنے فرقونکو ابھارا اور اس طرح شہزادہ ولیعہد کا بمبئی کے ساحل پر اترنا فتنہ اور تباہی کا ایک پیش خیمہ بن گیا۔ مذکورہ بالا تحریر سے جو کچھ لوگوں کے دلوں پر نقش رہ جاتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ گاندھی اور اس کے عدم تعاونیوں کا مقصد شہزادہ ولیعہد کی توہین تھا۔ اور بمبئی کے فتنہ اور فساد اس امر کی شہادت ہے۔ مگر یہ اصلیت سے کوسوں دور ہے۔ ان وقوعات کے عوض مسٹر گاندھی ہندوستان میں سب سے زیادہ بدنصیب شخص تھا۔ اور حقیقت میں ان وقوعات کا سبب گاندھی نہ تھا۔ ان معاملات بیرا میں کا سب سے بڑا ناصح سوائے پریذیڈنٹ پٹیل کے اور کوئی نہ تھا۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ کا سپیکر جسکو گذشتہ گرمیوں میں ۱۹۲۶ء شہنشاہ کے حضوری میں پہنچنے کا فخر حاصل ہوا۔ اور جو ویسٹ منسٹر کے .... بحیثیت ایک شاندار ممبر کے پارلیمنٹری ایسوسی ایشن میں شامل تھا۔ جو ہز رائل ہائینس ڈیوک آف یارک اور اس کی بیگم صاحبہ کے جو اپنے ملک کی سیاحت سے بخیر و عافیت مراجعت فرما ہوئی تھے

مقرر ہوا تھا مسٹر سیو کہہ سکتی ہے کہ یا تو افراد کی طبیعت متغیر ہو گئی
ہو گی ۔ یا مسٹر پٹیل کی ۔ مگر واقعات تو خوشنمانہ ظاہر ہوئے
مسٹر گاندھی کا مقصد بائیکاٹ سے اس مبارک ہستی کا بائیکاٹ
نہ تھا جو کہ مسٹر سیو سمجھ رہی تھے ۔ اس وقت عدم تعاون کے
حامی ایک بہت بڑے سوراجی جھگڑے کے درمیان تھے ۔ اس وقت
گورنمنٹ کو مانند دوسری سرکاروں کے جھگڑوں کو مٹانے کا سبب
دریافت کرنا چاہتے تھے ۔ جب تحریک نے اپنی ہر دلعزیزی اور طاقت
کی وجہ سے سر سے گذرنا چاہا ۔ تو لارڈ ریڈنگ برطانیہ کے عالی جامع
وائسرائے نے بازی کو جیتنا چاہا ۔ اور اس وجہ سے اس نے پرنس
آف ویلز کو آنے کی دعوت دی کیونکہ عدم تعاونی ہفتہ وار پرچہ
ینگ انڈیا (Young India) میں شائع کر دیا ۔ کہ یہ
خبر کیسا تحفہ تو ہیں" ہے کیونکہ ملک کے لوگ اس وقت تمام کے تمام
گھرے ملکی معاملات میں پڑے ہوئے تھے ۔ اور انکو معرض التوا
میں ڈالنا مناسب نہ تھا ۔ اور ان معاملات کا درمیان میں چھوڑنا
گویا اس تحریک کو زخمی اور لوگوں کے اخلاق کو بگاڑنا تھا ۔ اور اس
کا لارڈ ریڈنگ سے اس وقت کا توہین کا باعث تھا ۔ اس لئے
مہاتما گاندھی نے لوگوں سے اپیل کی کہ اپنے بھائی شہزادہ
ویلز سے محبت آمیز برتاؤ رکھو ۔ اور بائیکاٹ کرو ۔ اگر وائسرائے
کا مقصد اس کے بلانے سے یہ ہو ۔ کہ وہ آکر اس تحریک کا خاتمہ
کر دے ۔ بائیکاٹ اس کے آنے پر نہ تھا ۔ بلکہ وائسرائے کے

کے اس عمل کے سے لئے بائیکاٹ تھا جس کے لئے اس نے شہزادہ ولیعہد کو ایک آلہ کار کی حیثیت سے بلایا تھا کہ وہ آکر پولیٹیکل شہزادہ کی حیثیت سے ایک تحریک کا خاتمہ کر دے۔

فسادات بمبئی عمل میں آئے جس کی وجہ خود گاندھی نہ تھا۔ بلکہ وہ گاندھی کے لئے تھے۔ اس نے دنیا کو بائیکاٹ کے لئے آمادہ کیا۔ اور خود نے ایک بہت لمبا روزہ بطور کفارہ کے رکھ لیا۔

لارڈ ریڈنگ کے قلب پر گاندھی کی اس دلیری اور بہادری کا بہت گہرا اثر ہوا۔ صلح کی شرائط پیش کیں اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا منعقد ہونا قرار پایا۔ مگر مہاتما نے اس سے انکار کر دیا اور اس امر کا اظہار کیا کہ خلافت کے قیدیوں کو بغیر کسی شرط کے (علی برادران) رہا کر دیا جاوے۔ مہاتما نے کانگریس والنٹیروں کی ملک میں ایک جماعت بنائی کہ وہ بائیکاٹ کے پروگرام کے ساتھ عدم تشدد کا بھی پرچار کرتے رہیں اس کے بعد آفیسروں کے میدان میں آنے سے عدم تعاون کی تحریک کمزور ہو گئی۔ اور آخر کار اس تحریک کے لیڈروں نے اس کو التوا میں ڈال دیا۔ اس تحریک کے ساکت ہوتے ہی جو کام اس کے لئے رکھے ہوئے تھے سب سرد پڑ گئے۔ اس طرح ایک ہوشیار پروپیگنڈا پھیلانے والے نے اپنی ہوشیاری سے ہندو مسلم احساسات کو نہایت کامیابی سے جیت لیا۔ فرقہ وارانہ تحریک نے ایک مرتبہ پھر ملکی تحریک پیدا کی جس کا مقصد صرف فتنہ و فساد تھا۔

مس میو کہتی ہے کہ "یہ جنگ کے بعد کے ہنگامے تھے۔ وہ دورانِ جنگ میں ہندوستان میں نہ تھے۔ لیکن اگر اس کا اشارہ اس جانب ہو کہ ہندوستان میں جنگ کے دنوں میں سرکاری طور پر ہنگامہ پھیل گیا تھا۔ تو یہ اس کی سمجھ کی غلطی ہے۔ دورانِ جنگ میں شہزادوں اور عوام سب نے سلطنت کی بہبودی کے لئے برابر کا حصہ لیا۔ ہر میدان میں ہندوستانی سپاہی جان تو کر لڑتے رہے۔ ہندوستانی سپاہیوں کی وفاداری کی بابت لارڈ ہارڈنگ سے پوچھئے جو فخریہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ ہندوستانی سپاہی فرانس کے میدان میں پیرس پر جرمن کی بڑھتی ہوئی روکو روکنے کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ اس کی بابت امریکن مس کا خواہ کچھ ہی خیال ہو مگر حقیقت میں یہ امر ہندوستانیوں کے لئے باعث فخر ہے۔ جن کا تعلق آخر انگلستان سے ہے نہ کہ امریکہ سے۔ انگلستان نے ہندوستانی افواج کی بہت ہی قدردانی کی۔ گو اب جنگ عظیم کی یاد بہت سے اصحاب کے لئے طاقِ نسیان کی مثال ہو گئی۔ مگر عظیم الشان انگریز ہستیاں اب بھی ہندوستان کی بہادری کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں مسٹر لائڈ جارج کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا۔ اور میں ہندوستان کے مستقبل کی بابت اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ ویلز کی عظیم الشان ہستی نے جس کی جنگی خدمات تاریخ میں زرین الفاظ میں محفوظ ہونگی اور جس کا نام آیندہ نسلیں نہایت محبت بھری الفاظ میں لیا کرینگی

نہایت تشکر آمیز الفاظ میں ہندوستان کی اہم ذمہ داری کو عمدہ طریقہ پر نبھا چکنے کا اعتراف کیا۔

تلک مہاراج جس کو سر ویلینٹائن چیرل نے "ہندوستان کی بے چینی کا سبب" قرار دیا۔ پہلا شخص تھا جس نے ملکی معاملات کو خیرباد کہکر بھرتی کرنے کا کام شروع کیا۔ گاندھی نے گجرات میں سپاہیوں کے بھرتی کرنے کا میدان گرم کیا۔ مہاراجہ نابھہ نے جنگ کی خبر پڑھتے ہی وائسرائے کو فوراً تار دے دیا کہ میری ریاست کے آدمی اور زر گویا سب کچھ جو درکار ہو سرکار کی امداد کے لئے حاضر ہے۔ اور اگرچہ ہر دو عمال کے درمیان کشیدگی ہے۔ تو وہ صرف معمولی ہے۔ مگر ہر امپیریل ہستی شہنشاہ جارج پنجم اور رائل ہاوس آف ونڈسر کے لئے کسان سے لیکر ایک شہزادہ تک سب کے سب وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔ اسی طرح والئے ریاست نابھہ اور رائل ہاوس آف ونڈسر کے درمیان دوستی محبت کی ایک سنہری زنجیر کے ذریعہ وابستہ ہو گئی۔ اور اس نے اپنی رعایا ہونیکا اعلےٰ ثبوت پیش کیا۔ اور اسیطرح ایک کسان سے لیکر شہزادہ تک دوران جنگ میں ہر ایک نے اپنے آپ کو وفادار ثابت کیا۔ اور اس طرح ہندوستان نے انگلستان کی آفت کو اپنے سر پر جھیلا اور برداشت کیا۔ مگر مس میو کی کتاب کے پڑھنے والے کو بھی معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی آفت کو انگلستان نے اپنے سر پر لیا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے

اور اس ایمانداری اور وفا شعاری کے ذریعہ سے ہندوستان نے اپنے تمام حقوق نہایت عمدگی سے سرانجام دئے جو ایک رعایا پر واجب تھے۔

تیرھواں باب

اصلاحات

مس میو کہتی ہے کہ اصلاحات کے طاقت و حکم کی فراوانی درجہ اور سرپرستی برطانیہ کے ہاتھوں سے بہت کچھ ہندوستانی ہاتھوں میں آ چکی ہے۔

اب ہمیں ایک غیر جانب دار کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے۔ کہ اصلاحات و ترمیم کی وجہ سے کسقدر طاقت ہندوستانیوں کے پاس ہو گئی ہے۔ ہندوستان کی گورنمنٹ مانند سابق برطانوی مشیران ملکی اور ہندوستان کے سیکرٹری آف سٹیٹ کی ذمہ واری پر ہے۔ اور انکی (برطانوی مشیران ملکی و سیکرٹری آف سٹیٹ) ذمہ وار برٹش پارلیمنٹ ہے۔ اور برٹش پارلیمنٹ کے ذمہ وار برطانوی افراد ہیں۔ جو ہندوستان کے معاملات میں کم و بیش حصہ لیتے ہیں۔ جس کی شہادت جنرل الیکشن ہے کہ جس میں ہر فریق ہندوستان کا سوال اٹھانے میں پیش پیش کرتا تھا

ہندوستان کی اصلاحات کے متعلق برطانوی منتخب کنندگان ذمہ دار ہیں۔ جن کی ذمہ دار ہندوستانی گورنمنٹ تھے۔ ہندوستانی افراد اپنی اصلاحات کے خود ذمہ دار نہیں۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ کا دستور ملاحظہ ہو کہ جس کا بے دستور ہونا خاص اشاعتوں میں نکل چکا ہے۔ اور جو ہندوستان کی مجلس واضعان قانون کہلاتی ہے۔ خواہ کس قدر مخالفت ہو صاحب طاقت باوجود مخالفتوں اور کثرت رائے کے پھر بھی ہندوستان کی پارلیمنٹ کے ممبر بن ہی جاتے ہیں۔ انہیں عام انتخاب کا خوف نہیں۔ انکی پشت پناہی کرنیوالے بہت بڑی شخصیت رکھتے ہیں۔ جب کبھی پارلیمنٹ کو کسی قانون کی منسوخی۔ تردید یا ممانعت کا قانون پاس کرنیکا اتفاق ہوتا ہوتا ہے تو یہ وائسرائے کی ردی کی ٹوکری میں لاپرواہی سے پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وائسرائے کو تصدیق کرنیکی طاقت ہے۔ جیساکہ شاہ انگلستان کو حاکمانہ نامنظوری کا استحقاق حاصل ہے۔ بادشاہ اپنا پیدائشی اور جایز حقدار ہونے کے باوجود پھر اس قسم کے حقوق اور انصاف کو کام میں نہیں لاتا۔ مگر وائسرائے اس کی بہت بری طرح مشق کرتا ہے۔ اور حقوق کو پائمال۔ اس کی ذمہ داری پر نصف دنیا کے قریب زمین الگ کردی گئی کہ وہ اس کے حقوق کا محافظ رہے۔ اب مقام غور ہے کہ ہندوستانیوں کے پاس طاقت کہاں رہی جبکہ وہ بالکل

بے بال و پر کر دئے گئے۔ دوسرونکو بتایا جاتا ہے کہ ہندوستانیوں کے پاس اپنی اصلاح کے لئے طاقت موجود ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر ہندوستان کی پارلیمنٹ ایک دہوکا ہے تو کیا وہ طاقت اور حکم جو پروانشیل (صوبہ کی پارلیمنٹ) پارلیمنٹ کو دیا گیا ہے۔ وہ قابل غور نہیں۔؟ ثبوت جو میڈی مین کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا کیا وہ بے اختیاری اور عدم طاقت کا کافی سے زیادہ ثبوت نہیں میڈیمین کمیشن میں سر الیگزینڈر میڈیمین گورنمنٹ ہند کے ہوم ممبر تھے اور اس وجہ سے اس کمیشن کا نام مڈیمین کمیٹی رکھا گیا۔ شکایت یہ تھی کہ انکے محکموں میں روپے کی بہت قلت ہے۔ اور روپیہ خزانہ میں رہتا ہے۔ جس پر سرکار پوری طرح سے قابض ہے۔ صوبجات میں بھی جس کی لاٹھی اسکی بھینس والی مثال ہے۔ جو صاحب طاقت وجاہت ہیں ہر طرف اس کا ہی تقرر ہے۔ اور کسیکو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ اس کے دو یا تین گانٹھ کے پورے اور عقل کے اندھے وزیر ہوتے ہیں جن کا خزانہ پر کچھ زور نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ اختیار ہے وہ سب ان سے بڑے کا ہے یہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ان کی سنی ہی جاتی ہے۔ محکمہ جات جن کا پبلک سے کچھ تعلق ہے وہ صرف محکمہ قانون پولیس اور انصاف ہے۔ اور اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو صوبجات کے مراکز میں بھی حکومت اور اختیار نہیں ہے۔

اب ہمیں ان درجات کا ملاحظہ کرنا چاہیئے - جو بقول مس میو ہندوستان کو اصلاحات کے متعلق مل چکے ہیں - وہ شاید ہندوستان کو ایمپائر کانفرنس کے تقرر سے منسوب کرتی ہے لیکن اس کے تقرر کا اظہار کس طرح ہوتا ہے - اس کا اظہار صرف گورنمنٹ ہی کرتی ہے لوگ اس سے بالکل بری ہیں تعجب کی کوئی بات نہیں - اگر ہندوستانی یہ کہیں کہ ایمپائر کانفرنس میں ہندوستان کے لئے کوئی جگہ نہیں - یہ بہت بہتر ہوتا اگر ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ذریعہ ایمپائر کانفرنس کے لئے رائیں حاصل کر لیجاتیں - اور یہ ضروری نہ بھی ہوتا - اگر ہندوستانی پارلیمنٹ لوگوں کی ذمہ وار ہوتی - جیساکہ مجلس وضعان قانون میں لیڈر ہوتے ہیں - اور جیساکہ دیگر ممالک میں ایک بڑے گروہ اور جماعت کی طرف سے وہاں کے لیڈر مجلس میں ذمہ وار ہوتے ہیں - اسی اثنا میں ہندوستان کا ایمپائر کانفرنس میں درجہ اور مقام دکھانے کے لئے یہ بہت بہتر ہوتا کہ اگر مرکزی مجلس اپنے ممبر خود منتخب کر لیتی - مجلس لوگوں کی نہیں بلکہ گورنمنٹ کی ملکیت ہے - اس لئے اس کے ماننے میں کوئی ہرج نہیں - اگر وہ خود اپنے ممبر منتخب کر لے مگر گورنمنٹ کو اس قسم کی امید اصلاحات سے ہرگز نہ رکھنی چاہیئے سرپرستی اور امداد کونسی ہے جس کی بابت مس میو شور پکار کرتی ہے - ؟ کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ آ چکی ہے - سرپرستی اور امداد کے دیگر ذریعوں میں سے ایک اس قانونی کمیشن کا تقرر

بھی ہے جو قریباً ۱۹۲۹ء میں ہندوستان کی حالت کا اندازہ کرنے
کے لئے مقرر کیا جاویگا - اس لئے آیا کہ ہندوستان سوراج
کے قابل ہے یا نہیں - سو ہندوستانی اس قسم کی سرپرستی
کے خواہشمند نہیں اور نہ انہیں ضرورت ہے - ہندوستانی
جو کچھہ چاہتے ہیں وہ یہ نہیں کہ مقررہ اوقات پر ان کی حالت کا
ملاحظہ کیا جاوے - بلکہ وہ فیصلہ کے خواہشمند ہیں - جیسا کہ
کرنل ویجووڈ نے دیوان عام میں نہایت صاف الفاظ میں
کہا تھا کہ ہندوستان میں با قاعدہ کمیشن بھیجنے کی بجائے آئرلینڈ
کی طرح ان سے معاہدہ کر لیا جاوے - مگر ایسے کمیشنوں سے
مس میو کی بتائی ہوئی جماعتوں میں اضطراب پھیلتا ہے - مس میو
برطانوی ہند کے دو تہائی حصہ کی بڑھتی ہوئی حماقت کے
برخلاف سب کو آگاہ کرتی ہے کہ اس کا سدباب ہونا چاہیئے
ورنہ اس حماقت کا ایک تہائی حصہ جو ریاستوں کے حصہ میں
آتا ہے اثر بہت جلد پھیل جائیگا - ان باتوں کے ساتھہ مس میو کو
یہ بھی آگاہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے وفادار شہزادے
قومی تحریک کے برخلاف چل رہے ہیں - اگر شہزادے ایسا
کرتے اور قومی تحریک کے مخالف ہوتے تو اس صورت میں کانگریس
خاموش نہ رہتی - ہندوستان کی قومی کانگریس یہ تجویز
منظور کر رہی ہے - ہندوستانی ریاستوں کے معاملات
میں کچھہ دخل نہ دو - مگر مس میو اس پالیسی کو اختیار کر رہی ہے

کہ ہندوستانی ریاستوں کو پشت و پناہ بنا کر قومی تحریک کے برخلاف کیا جاوے ۔ مگر وہ اصحاب جن کے دلوں میں حب الوطنی گھر کر چکی ہے ۔ اس مبارک تحریک میں حصہ لینے سے کبھی باز نہیں رہ سکتے ۔

اختیار درجہ و طاقت اور سرپرستی کا ملاحظہ کر لینے کے بعد جس کی مس موصوف بہت کچھ تعریف کرتی ہے ۔ اب ہم اُس کی اُس تحریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس نے مجلس واضعان قانون کے متعلق لکھی ہے ۔ وہ کہتی ہے

اس وقت جو تجویز پیش ہو رہی ہے وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ۔ اور وہ تجویز تک ہی محدود ہے ۔ جذبات کی کشمکش سے تجویز تو ہو گئی مگر عملی صورت میں وہ کچھ کارآمد نہیں ہو سکتی ہندوستان کی پارلیمنٹ کی مثال نادان بچوں کے ہے جنکو کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک گھڑی مل جائے ۔ اب ان میں سے ہر ایک دوسرے سے چھینتا اور لڑتا جھگڑتا ہے ۔ کوئی اس کو کھول کر اس کا سپرنگ اور اسکی کمانیاں اور پرزے الگ الگ کر دیتا ہے ۔ غرضیکہ آپس کی کشمکش میں وہ گھڑی خراب نہ انکو اس کی قیمت کی خبر اور نہ اس کے وقت دیکھنے سے تعلق جب انکا استاد آ کر اس گھڑی کی تشریح کر کے انکو سمجھانا چاہتا ہے تو وہ نہایت بے چینی اور بے صبری سے بجائے سمجھنے کے اپنے کھانے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں ۔ کبھی چیختے ہیں اور کبھی تمسخر کے طور پر قسم قسم کے منہ بناتے ہیں ۔

رائے اور خیال میں فرق ہے لیجسلیٹو اسمبلی (مجلس واضعان قانون)

کے ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے برٹش پارلیمنٹ کے ایک ممبر مسٹر آسوالڈ ماسیلے نے کہا کہ میں نے مرکزی قانون ساز مجلس کی جدوجہد میں گرفتار ہو۔ اس کے جواب میں مخالف پارٹی کے لیڈر پنڈت موتی لال نہرو نے کہا۔ صدیوں غیر ملکی حکومت کی وجہ سے ہم ہندوستانیوں سے جو کچھ سنگدلی اور وحشت تھی سب جاتی رہی۔ ہم میں سے وہ احساس جو ایک آزاد ملک کے ہونے چاہئے تھے وہ سب کے سب زائل ہو چکے۔

مسٹر ایلڈآوس ہکسلے جن کی نگاہ مانند دوسروں کے ملکی معاملات اور تعصب کیوجہ سے خراب نہیں ہوئی بلکہ مجلس کے اندرونی اور خفیہ حالات سے خوب واقف ہے۔ وہ مجلس جو سال میں دو مرتبہ دہلی اور شملہ میں منعقد ہوتی ہے۔ آپ اس کی گلکاریوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لکھتے ہیں۔

لیجسلیٹو اسمبلی بہت ریزولیوشن پاس کرتی ہے۔ مگر گورنمنٹ سو میں سے ایک پہ عمل پیرا ہوتی ہے۔ ہندوستانی اپنی پارلیمنٹ کی بابت بہت زیادہ گرمجوش واقعہ نہیں ہوئے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو قابل تعجب نہیں۔ میرے خیال میں ہندوستانی مدبر اس کو مفید خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ باہر کی نسبت اسمبلی میں بہت اچھی طرح مکمل کر بول سکتے ہیں۔ انکی تقاریر بعض شائع بھی ہو جاتی ہیں اور یہ مشتہر کرنیکا ایک اچھا ذریعہ ہے مگر غیر مفید۔ اور ممبر اس سے بے خبر بھی نہیں۔ مجلس کے اصحاب میں سے بعض ایسے بہرے ہوتے ہیں

جو اپنی لیاقتِ علمی کو چھپانا جانتے ہی نہیں - بلکہ بلا سوچے سمجھے لسانی سے کام لیکر اپنی کم مائیگی کا اظہار کر دیتے ہیں - حالانکہ ان کا مقصد سب پر اپنی لیاقت کا سکہ جمانا ہوتا ہے -

اس اسمبلی (مجلس) کے ایک ممبر ہونیکی حیثیت سے میں چپ نہیں رہ سکتا - یقیناً مسٹر ٹکسلے کے بیان میں صداقت کی جھلک موجود ہے - اور خصوصاً جبکہ وہ یہ بیان کرتے ہیں "یہ مشتہر کرنیکا بہت اچھا ذریعہ ہے" انکی تقاریر میں سے اکثر پریس میں شایع بھی ہو جاتی ہیں - ایک عملی کام نہ کرنیوالے کے لئے سوائے مجلس کے حق حاصل کرنے کے اور کوئی مطلب نہیں - اور اگر ایسے غصہ ور اور تلون المزاج آدمی ایسی باتیں اسمبلی کے باہر کریں تو یقیناً حوالات کے سپرد کردئے جاویں - ایسے شخصوں میں سے اکثر کو جیل کی زندگی یاد ہے - مخالف پارٹی کے لیڈر پنڈت موتی لال نہرو بھی زندان کی ہوا کھائے ہوئے ہیں - مگر انکا طرزِ کلام نہایت شیریں ہے - انکے اکثر پیرو بھی انکی خوش خلاقی اور شیریں کلامی کی تقلید کرتے ہیں - مگر اس کے برعکس بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو مجلس کے حقوق پر بجائے تعریف کے اس کو مخش اور نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں مس میو کہتی ہے" قوانین کے وضع کرنیکی سب سے آسان تجویز جو گورنمنٹ نے پیش کی اور سوراجیہ پارٹی کے واعظوں نے اس کو لبیک کہنا چاہا حقیقت میں وہ اور اس کی تشریح کا مقصد بالکل خراب اور نادرست ہے - اور ان سے کسی خوشگوار نتیجہ کی امید رکھنا بالکل فضول ہے - کیونکہ وہ نتیجہ کے عوض میں لاتیں کھینگے

کہ ہم کو آپ پر اعتبار نہیں۔ ہمیں آپ کی کسی مفید تجویز سے اتفاق نہیں۔"
میں ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کرتا کہ اسمبلی میں زبردست تقاریر ہوتی ہیں۔ مگر دیوان عام سے زیادہ زبردست نہیں ہوتیں۔ پریذیڈنٹ پٹیل جو دیوان عام کی کارروائی کا معائنہ کرنے کے لئے گئے۔ انہوں نے اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے کہ ہندوستان کی پارلیمنٹ مرتبہ اور لیاقت میں بڑی پارلیمنٹ سے بالکل کچھ حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ بہت سی ناقابل باتیں پارلیمنٹ میں بیان ہو جاتی ہیں جو اس کے قابل نہ تھیں۔ اور بہت سی خراب باتیں اس کے لئے بہت اچھی خیال کیجاتی ہیں۔ اچھی باتوں کی عدم موجودگی نے مسٹر باسلے کو اسمبلی میں مجبور کیا۔ اس لئے انہوں نے تمام شرفا ممبروں کے سامنے اعتراف کیا اور یہ حقیقت میں پنڈتوں اور لیڈروں کی کم مائیگی ہے جس پر کہ انہیں بیجا طور پر ناز ہے۔ پنڈت مدن موہن مالوی جو کہ ایک منکسر المزاج اور لیاقت کا مجسمہ ہیں اس جنٹلمین کو جس سے یہ الفاظ کہے تھے "کہ ہم مطعون گورنمنٹ پر یقین نہیں رکھتے" مجرم گردانا اور انہیں الفاظ کو مسٹر میو پکڑتی ہے۔ اور اسی بات سے وہ ڈرتے تھے۔ کہ ایسا نہ ہو اور دوسری تو میں یہ کہیں کہ ہندوستانیوں میں سے سنجیدگی کا مادہ بالکل ضایع ہو چکا ہے۔ مگر وہی ہوا جس سے ڈرتے تھے۔ مگر ایسے معزز اصحاب کو مغرب میں اس وقت پارلیمنٹ کی حاضری دینی چاہئیے جبکہ وہ عدالت کی سپردگی میں ہوں کیونکہ ایسے حضرات مرتبہ اور لیاقت کی زیادتی سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ علاج انکے حق میں مفید ہے۔ میری رائے ہے کہ خراب تحریرات اور نامناسب کارروائیاں مغربی مجلس قانون سازان کی نامناسب

کارروائیوں کے ساتھ مقابلہ کرکے اگر خراب ہوں تو ضایع کردی جایا کریں
مس میو کہتی ہے کہ دیندن اور لمحہ بہ لمحہ سوراجیہ پارٹی اپنی تمام
گرمجوشیاں مخالفوں کی صف آرائی کو توڑنے میں صرف کررہی ہے
مگر یہ بہتان درست نہیں۔ اگر بفرض محال یہ درست بھی ہو تو کیا سوراج
کے حامیوں کو مخالفت کے سدباب کا حق نہیں؟ کیا پارنیل کو ان مخالفوں
میں سے گذرنا نہیں پڑا؟ حقیقت یہ ہے کہ سوراج کے حامیوں اور لیڈروں
کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نقاب
کشائی کی ضرورت ہے کہ سوراج پارٹی کو کن مشکلات اور راستوں
سے گذرنا پڑا۔

عدم تعاون کی تحریک کے التوا کے ساتھ ہی پرانے نیشنلسٹوں نے
اپنے دماغوں کو کونسل میں جاکر مخالفت کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ ارادہ
مرحوم سی آر داس بنگال کے لیڈر اعظم کا تھا۔ مگر ایک خاص سیشن نے
۔۔۔ کلکتہ کی کانگریس میں اس پر عمل پیرا ہونے سے انکار کردیا۔ کیونکہ
انہیں اس سے بھی سخت طریقہ کی ضرورت تھی۔ اور اس جگہ کثرت رائے
سے یہ پاس ہوا کہ عدم تعاون کے سب سے بڑے حامی مہاتما گاندھی
کے میدان کو گرم کیا جاوے۔ اس سوال کو اٹھانے والا مسٹر داس تھا
جس کو ہندوستان محافظ وطن کے نام سے پکارتا ہے۔ جب عدم تعاون
کی تحریک میں بالکل حرکت نہ رہی اور ساکت ہوگئی تو مسٹر داس
محافظِ وطن اپنے پرانے مخالفت کے خیال کو مجلس قانون سازان
میں پیش کرنے لگا۔ اور از سرِ نو اس خیال کو زندہ کیا۔ کیونکہ اس کا

کانگرس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ کانگریس مدت سے عدم تعاون کے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کرسکی تھی۔ آخر اس نے ایک جماعت بنائی جس کا نام سوراجیہ پارٹی رکھا گیا۔ مسٹر سی۔ آر۔ داس کی وفات کے بعد سوراجیہ پارٹی پنڈت موتی لال نہرو کی لیڈر رہی میں تعاون کی مخالفت کے لئے غیر محسوس طور پہ بیٹھ گئی۔ مخالفت کی تحریک دیش بندھو نے بنگال میں اچھی طرح پھیلا دی۔ اور اس کی وفات کے بعد ایک عملی پالیسی کی صورت میں بالکل التوا میں پڑ گئی سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء کی سردیوں کی مجلس میں سوراج پارٹی والے شامل نہیں ہوئے۔ اور مانند گذشتہ سال کے اس سال بھی مالگذاری کا بل بنانے سے انکار کر دیا۔ پارٹی کا سوال یہ تھا۔ کہ بغیر ضرورت کے ٹیکس نہ لگایا جاوے۔ گذشتہ سال جب پارٹی نے بل منظور کرنے سے انکار کیا۔ تو اس وقت بھی دیسی یعنی پارٹی کا لیڈر ہی اس کا ذمہ وار تھا۔ سوراج پارٹی فیصلہ کی تحریک کے وقت بالکل غیر جانب رہی اور یہ سوراج پارٹی کا لیڈر مجلس سے غیر حاضر رہا۔ غیر ذمہ وار تشدّد کے حامی لالہ لاجپت رائے جنہیں شیر پنجاب کے نام سے پکارا جاتا ہے اور پنڈت مدن موہن مالوی جو مجسمہ نیکی سے یاد کئے جاتے ہیں انہوں نے اور انکے خدام نے ہی ووٹ دئے۔ مگر سوراج کے عقلمند لیڈروں نے بالکل اس میں حصہ نہیں لیا۔ میرے خیال میں یہ سوراجیہ پارٹی کی مخالفت نہیں۔ بلکہ یہ تو ان کی طرف سے صاف عدم تعاون کی دلیل ہے۔ مسٹر میو وفادار سوراجیہ ایشن سے بہت بے انصافی

جن کا خیر مقدم اعتدال پسند جماعت کے لیڈر مسٹر سی۔ وائی چنتامنی جو یو۔ پی گورنمنٹ کے ایکس منسٹر اور ہندوستان کے ایک قابل آدمی ہیں۔ اور دادا بھائی ناؤ گوری کے گرم جوش پیرو۔ جو سب سے پہلے پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔

مس میو کہتی ہے "وہ آخر کچھ نہ کچھ پارٹی کی طرف سے بات ضرور نکلی ہے"۔ مگر سوراج پارٹی کی جو خواہش تھی وہ یہ تھی کہ فیصلہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ براہِ راست سوراج اور حکومت کے طالب نہ تھے۔ بلکہ سوراج پارٹی کے لیڈر تو صرف اس طرف ایک قدم اٹھانے کے خواہشمند تھے۔ اور صرف اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔

تمام قیاسی ناممکنات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سوراج پارٹی نے حرکت کی تاکہ اپنے اور اسمبلی کی پارٹیوں کے لئے مفید ہو سکے اور خود اختیاری انتظام کے لئے ریزلیوشن پاس کرنیکا اعلان کیا۔ تاکہ اصلاحات کے لئے فوری تجویز ہو سکے۔

یہ بات ۱۹۲۵ء کی ہے جبکہ اصلاحات کی تحقیقات کے لیئے ایک کمیٹی کا مجلس میں سے مقرر کیا جانا ضروری خیال کیا گیا اور ہندوستان کی قومی اصلاحات کے لئے تمام فرقوں کے ممبروں کی رائے کا خیال رکھتے ہوئے کمیٹی کا تقرر منظور ہوا۔ اصلاحات کی تحریک کے دوران میں پنڈت موتی لال نہرو نے اپنا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا

"ہم مرکزی قانون ساز مجلس میں ذمہ وار گورنمنٹ کے خواہشمند ہیں۔ ہم کارکن اور حکمران کو مجلس کا ذمہ وار ہو جاتے ہیں سوائے

چند تفصیلوں کے جنکی تشریح کرتا ہوں - یعنی فوجی خدمات کے خرچ
کی رقم ایک مقرر ہونی چاہئیے - اور ملکی اور غیر ملکی اخراجات الگ - اور
صوبہ کے اندر ہم خود اختیاری انتظام چاہتے ہیں - اور سرداری کا خاتمہ
ایک مقررہ وقت کے بعد ہم اپنا حق اپنی اصلیت کو قائم رکھنے کے لیئے
باحتیاط قایم رکھینگے جس کے دوران میں ہم کو واجب الترک اختیارات کو
خیرباد کہنا ہوگا - پارلیمنٹ میں اپنے اصولوں کے اظہار کے بعد دوسرا
کام جو ہمیں کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور مقرر کرلیا جاوے
بموجب ہمارے اقرار کے کوئی مجلس یا گول میز کانفرنس یا اور کوئی
دلپسند ذریعہ خواہ اس کا کچھ ہی نام مقرر کیا جاوے - مگر وہ مختار کل ہو
اور ہندوستانی یورپین اور اینگلو انڈین اصحاب سب کے لئے برابر
کی مختار ہو - اور سب کے لئے فائدہ مند - اور وہ ذریعہ تمام اقوام کے
حسب حالات کمی و بیشی کی تجاویز پیش کرے - جب تجویز بن گئی
تو اس کو پارلیمنٹ کے پیش کردیا جاوے - بنیادی اصول جن پر کہ
ہندوستان کے ضوابط کا انحصار ہوگا - وہ اپنا بنایا ہوا اصول ہوگا
تمام جماعتیں اپنے مطالبہ کے لئے متفق ہوگئیں کہ صوبجات کی ذمہ دار
گورنمنٹ کے سامنے خود اختیاری کے اصول کو پیش کیا جاوے
اور انہیں ذمہ داری کا دائرہ مرکزی گورنمنٹ تک وسیع کردینا چاہیئے
مگر سب کے سب اس میں دخل نہ دیں - اور وہ آگے گورنمنٹ کی مختلف
خواہشات کے مطابق فوجی اور بحری انتظام بیرونی معاملات ہندوستانی
ریاستوں کے انتظامات گورنمنٹ کے اختیار میں کردے - تشدد پسند

حضرات نے دیکھا کہ سوراج پارٹی اپنے مقصد میں کامیاب نظر آرہی ہے حقوق آزادی کے خواہشمند چاہتے تھے کہ پوری آزادی میں چھوڑا جائے پنڈت موتی لال نہرو نے تشدد پسند حضرات کی بدگمانی کو اور بڑھا دیا۔ وہ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ اور اس کی پارٹی پرانے اعتدال پسندوں کی طرح کانگریس سے علیحدہ نہ ہو جائے اور گورنمنٹ سے مل کر اصلاحات کا کام نہ شروع کر دے اور اگر گورنمنٹ نے صلح کی شرط کو منظور کر لیا تو اس طرح گورنمنٹ کے رتبہ میں فرق آ جائیگا۔ اور اگر پنڈت صاحب موصوف نے ان کی بدگمانی کو بڑھا دیا۔ تو یہ اس نے بہت غور سے کیا اور کھلی آنکھوں سے کیا۔ پنڈت صاحب مشرق کی روحانی منطق کے قائل نہیں۔ اور نہ مغربی سوشلزم کو مانتے ہیں۔ ان میں دنیا سے عام عقل بہت زیادہ ہے۔ اور دماغ ایسا کہ جسمیں عملی تدابیر سما سکیں۔ جہانتک حواس اور عقل کا تعلق ہے۔ وہ انگلستان کے درمیانہ طبقہ کے حقوق رعایا کے پاسداروں اور مزدور پارٹی کے محافظوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔

مس میو یہ کہتی ہے کہ ہندوستان جمہوری سلطنت کے قابل نہیں۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"مطلق العنانی اور خود اختیاری سے شہری روح اور طبیعت نہیں پیدا ہو سکتی۔ برطانیہ کے ہندوستان پر قابض ہونے سے قبل ہندوستان میں کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہ تھا۔ سوائے ظلم اور خود مختاری کے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں آکر اپنی عملی قابلیت کی مدد سے آہستہ آہستہ وہ

قاعدے اور دستور بنائے کہ جس سے ہندوستان پہلے نابلد تھا۔ انگریزوں نے ایک درمیانہ جماعت تیار کی۔ وہ درمیانہ جماعت جو آجکل وکیلوں اور پیشہ وروں کی صورت میں سرداری اور حکومت کر رہی ہے۔ مانند اپنے ان آبا و اجداد کے ہے جنہوں سے آج سے پانچ ہزار قبل ذات پات اور تناسخ پر کاربند ہو کر بڑائی حاصل کی تھی اور یہ سراسر جمہوریت کا انکار ہے۔

کیا جمہوریت کے قابل ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی ہے؟ کیا جمہوریت ہی دنیا میں سب سے بہتر شے ہے؟ آؤ دیکھیں کہ مسٹر آلڈآوس ہکسلے کیا فرماتے ہیں۔

"نہ ظاہر داری اور نہ جمہوریت اس لئے خوشنما مدار ظاہرداری ہی کو رہنے دیں۔ البتہ الجھن اس بات کی ہے کہ جمہوریت اچھی شے ہے۔ اور جس کے لئے قیاسی طور پر سرگرمی سے خواہش ظاہر کیجاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی جمہوریت مرغوب شے ہے؟ یورپین اقوام غالباً اس جانب رغبت کم دیتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنا ذاتی فیصلہ اور رائے آجکل اتنی وقعت نہیں رکھتی جسقدر کہ اس سے قبل تھی بہت سی ایسی سلطنتوں میں ایک آسٹریا کی سلطنت بھی شامل ہے۔ جہانکہ ہیپس برگ کے سالہا سال تک کے مظالم بہت اچھی طرح یاد کئے جاتے ہیں۔ اور پرانی سررشتہ کی حکومت کو بہت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آخر جمہوریت کیا ہے؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سوائے سوئٹزرلینڈ کے اور بھی کسی جگہ گورنمنٹ کا انحصار لوگوں پر ہے؟ یقیناً انگریزی پارلیمنٹ کے طریقہ کو لوگ گورنمنٹ نہیں کہ سکتے۔ یہ لوگوں کے واسطے چند امرا کی ہاتھ میں لی ہوئی سلطنت

ہے۔ جہاں لوگوں کی بات بہت کم مانی جاتی ہے کیا میں اس سے کوئی اور شے مراد لوں۔ جبکہ میں یہ کہوں کہ جمہوریت اچھی شے ہے؟ کیا میں معقول رائے کا اظہار کر رہا ہوں؟ اور یا میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر بے معنی قاعدہ کو دہرا رہا ہوں۔ اس لئے کہ یہ قاعدہ میری خورد سالی میں میرے کانوں میں بھر دیا گیا ہے۔ کیا میں حیران نہ ہوں؟ اور میں اس قدر زیادہ ہنگامہ ہوں کیوجہ سے حیران بھی ہو سکتا ہوں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی اونچی قوم میں جو بوجہ اپنے اقتدار اور خود مختاری کے یکتا تھی پیدا ہوا۔ خواہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا یا انگلستان کے اسفل طبقہ میں۔ مگر اس قسم کی فلاسفی کی تہ کو میں بمشکل پہنچ سکتا ہوں

اسمبلی میں پارٹیوں نے جمہوریت کے مقدس پودے کو امریکہ سے ہندوستان میں لانے کے سوال کو بالکل نہیں اٹھایا۔ جہاں کہ اکثر مس میو کو طعنہ زنی کے اوقات مل جاتے ہیں "جمہوریت کی باتیں کرنے میں کامل اور ہوشیار مگر اس کے بالکل نا اہل اور جاہل ہیں"۔ اور انکا مقصد بھی یہی تھے مگر انہوں نے وہ کہا جو انکا مقصد تھا۔ اور جو انکا ارادہ تھا وہی انہوں نے بیان کیا۔

سوراجسٹ اور اس کی پارٹی کے لیڈر بازار میں اپنے آپ کی خرید و فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ یا دیگر الفاظ میں انکی اپنی ذاتی قیمت اور قدر کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک پیالہ شوربہ کے عوض میں اپنا آپ فروخت کرنا نہیں چاہتے۔ جس کا جواب نہیں موجودہ اصلاحات کو قبول نہ کرنے کے عوض میں ملتا ہے۔ انکی قیمت فعل ناقص ملکی اور قومی ہے۔ اگر برٹش

گورنمنٹ انکی قیمت ادا کرنے پر رضامند ہے تو اس صورت میں موجودہ ملکی مدبران اور عدم تعاون کے غالب عنصر کو بہ آسانی اپنے قبضہ میں لا سکتی ہے اگر اس پر بھی وہائٹ ہال اس کا معاوضہ ادا نہیں کرتا ہے۔ تو اس صورت میں ہندوستانی تشدد پسند حضرات کے موافق کوئی چیز نہیں ہو سکتی خواہ مسٹر میو ملک کے متعلق کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ تصورات کے راستہ کی روک تھام بالکل مفقود ہو جائیگی۔ اور عدم تعاون کی تحریک پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے ابھریگی۔ اور بہت زیادہ فسادات کا باعث ہو گی۔ جس کا انجام بہت برا ہو گا۔ گاندھی تو صرف اپنا وقت گذار رہا ہے

چودہواں باب

اگر انگریز دست بردار ہو گئے؟

امریکن سیاحہ اپنے باب ”پیغمبر کے بیٹے“ میں لکھتی ہے مس صاحبہ مسلمانوں کو اسلام کے بچے کے نام سے پکارتی ہے۔ اور یہ ایک علم روحانی کا بہت عمدہ مطالعہ ہے۔ اور اسی سے امریکن روحانیت کا بہتر پتہ چل جاتا ہے۔ لکھتی ہے ”پیغمبر کے بچے انگریزوں کے دست بردار ہونیکا انتظار کر رہے ہیں کہ جب یہ نکلیں تو اس وقت فوراً ہندوؤں کو مار کر بھگا دیا جائے۔ یا ان کے تمام حقوق چھین لئے جاویں۔ مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی یا دوسرے الفاظ میں زبردست سہارا

شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے اور اس صوبہ کے دوسری جانب زبردست کنبہ وار پڑا ہے "وہ شخص ریچھ کی مانند بولتا ہے۔ سونے میں کھیلتا ہے اور لامتناہی طریق پر سرگوشیاں کرتا ہے۔ اور پنجاب کے پکے مسلمانوں کے لئے ترکی ہلال کا پھریرا اپنے تیز رو سیلاب کے ساتھ اڑانیکا بہت آرزومند اور اسی قسم کے صدہا خواب دیکھتا ہے۔ اور اپنی رو کیساتھ اسلام کے وسیع ہونے کا منتظر۔ اور اسی طریقہ سے شمال مغرب کی جانب سے آکر ہندوؤں کی زندگیاں دوبھر کرنیکا متمنی نظر آتا ہے ریچھ نما اٹ ان دریافت کرتا ہے۔ (بقول مس میو) "کیوں نہیں کیا تم اپنے آباؤ اجداد سے کمزور ہو۔ انگریزو؟ تم کیوں توقف کرتے ہو۔ اور کیا شے تمہارے ارادوں کو پست کر رہی ہے"؟

اگر حقیقت میں میرا افغانستان ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ کہہ رہا ہے کہ "میں ایک خرس تمہاری پشت پناہی پر ہوں۔ مال غنیمت کو دیکھو اور لوٹ مار کرو۔ اپنا کام خوب تندہی سے کرو۔ اور خوب قتل کرو" (مدر انڈیا صفحہ ۲۸۶) اگر واقعی مذکورہ بالا تحریر صحیح اور درست ہے۔ تو اس صورت میں ہندوؤں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اور انکو انگریزوں کا سب سے بڑا طرفدار ہونا چاہیئے اور مسلمان انکے سب سے بڑے دشمن اور انکی جان و مال کے زبردست بدخواہ ہونے چاہئیں۔

مس میو کہتی ہے کہ مسلمان بظاہر خیر خواہ ہیں۔ وہ اپنی رائے کا بہت سے مسلمانوں کیطرف سے اظہار کر لی ہے کہ وہ اصلاحات کو بھی بالکل نہیں چاہتے۔ اور دکھاوے کے طور پر انگریزوں کا اس جگہ

رہنا بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہے " ایک پہاڑیوں میں پرورش شدہ آدمی ایرانی حسب و نسب کا شخص مجھے صوبہ سرحدی میں ملا جس نے مجھ سے کہا تمام صوبہ کی حالت ہر طرح سے تسلی بخش ہے۔ اور وہ کسی قسم کا تغیر نہیں چاہتے۔ اور جو آپ ان چند شمالی قبائل کی بابت دریافت کرتی ہو۔ سو ہم ان کو آدمی تصور نہیں کرتے۔ اگر برطانیہ آج دست بردار ہو جائے تو یکایک ایک محشر بپا ہو جاوے۔ جس میں سب سے پہلے بنگال سرزمین ہند سے مانند حرف غلط کے مٹ جائے" یہ تحریر ایک فسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی مگر اس کی اپنی سچائی ہے۔ اصل میں یا تو مس موصوف وہمی ہے اور یا بہت ہی بھولی اور سریع الاعتقاد ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان اور خصوصاً قبائل کے لوگ ہندوستان پر حملہ کرنے کو طیار ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ کب انگریز ہندوستان سے کوچ کریں۔ اور وہ مانند آندھی کے ہند دنیا پر چڑھائی کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کریں۔ واقعی انگریز جو تمام دنیا کی ہمدردی کے دعویدار ہیں۔ وقت آنے پر اپنی محبت کا کچھ ثبوت نہیں دے سکتے۔

مس میو کا انکار حیرانی لئے ہوئے ہے۔ اور اس سے اُس کے ماحول کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اور رسوائی کے خوف سے اپنا آپ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور اس طرح سے ظاہر بین اشخاص کو دھوکا دے رہی ہے۔ بجائے ایک کتاب لکھنے کے اگر وہ سلسلہ وار مضامین لکھتی تو اس صورت میں اس کا انکار اور نتیجہ اس قدر واضح طور پر ظاہر نہ ہوتا۔ جسقدر کہ اب ہے۔

اس کے اختلاف اور انکار کی ایک اور مثال لیجئے۔ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں لکھتی ہے کہ موجودہ ہندو اور خصوصاً برہمن نہایت عالی دماغ اور صاحب عزت تھے۔ مغلوں کی حکومت کے لئے برہمن مانند آجکل کے آئی۔ سی۔ ایس کے (انڈین سول سروس) تھے ہم اس کے اپنے ہی الفاظ نقل کرتے ہیں۔

"مسلمان باوجود قرآن اور فارسی علم کے ماہر ہونے کے پھر بھی اپنے دماغ کو دیگر کتب و قلم وغیرہ کی تکلیف کو گوارا کرنے کے عادی نہ بناتے تھے۔ اس وقت برہمنوں نے بوجہ اپنے ذہن رسا اور عقل کے بہت جلد فارسی تعلیم حاصل کر کے حکومت کے کاروبار کو دیکھنے اور کرنے کے قابل بنالیا۔ اور بہت جلد وہ اس وقت کی حکومت میں ملازمت کرنے کے قابل ہو گئے"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا زمانہ اس قدر ہندوؤں کا بدخواہ نہ تھا جسقدر کہ مس میو اپنی سینہ زوری سے بتا رہی ہے۔ غالباً حکومت برطانیہ انکے مقابلہ میں ہندوؤں کو اس قدر ترقی کرنیکا موقع نہیں دیتی۔ ایک غیر جانبدار انگریز کی رائے ہے کہ یہ سب سے مشکل امر ہے۔ مسٹر آلڈس ہکسلے اپنی کتاب جیسٹنگ پائیلیٹ (Jesting Pilate) میں لکھتے ہیں۔

وہ اکثر انگریز جو ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں آپ کو بتائینگے کہ وہ ہندوستانیوں سے محبت والفت رکھتے ہیں۔ کسان مزدور سپاہی نوکر غرضیکہ وہ سب سے بہت ہی نیکی اور یکساں مہربانی کا سلوک کرتے ہیں۔ وہ ان پرانے عقیدہ کے برہمنوں کی بہت تعریف کرتے ہیں

جو سمندر ذکو عبور کرنا گناہ خیال کرتے ہیں۔ جن کا علم اور تاریخ تمام کی تمام دیوتوں
کے قصے کہانیوں اور افسانوں پر مبنی ہے۔ وہ راجپوت بہادروں کی بہت
صفت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ راجپوت ہر طرح سے مکمل انسان ہوتا تھا
میدان میں مکمل سپاہی اور سوار کھیل کود اور اخلاق میں غرضیکہ ہر طرح
سے راجپوت بہادر بہت تکمیل کو پہنچے ہوئے تھے۔ وہ موجودہ سکولوں کی
تعلیم کی نسبت بہت افضل تھے۔ وہ صرف اس جماعت پر انگشت نمائی
کرتے ہیں جو مغربی طرز پر تعلیم پائے ہوئے ہیں کیونکہ سبب بالکل عیاں
ہے تعلیم یافتہ ہندوستانی انگریزوں کا رقیب ہے۔ اور انکو ہر طرف اور
باہر نکالنے والا۔ غلام اور جاہل طبقہ کے لئے انگریز خصوصیت کے ساتھ
بڑائی کا اظہار کرتے ہیں۔ پنڈت اپنے آپ کو سنسکرت کے علم میں لگائے
رہنا اور بوجہ اپنے پرانے عقیدہ کے اپنے آپ کو الجھائے رکھنا پسند کرتے
ہیں اور کھیل کود کے شائق شرفا کسی چیز کے بھی ماہر نہ ہونے کے باوجود
مغربی طرز کے مطابق خواہ مخواہ اپنی فوقیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ سب
کچھ ہر دلعزیزی اور اپنے بچاؤ کی خاطر ہوتا ہے۔ مگر کوئی شخص دوسرے
سے محبت نہیں کرتا۔ اگر اس کو اس شخص سے اپنی حق تلفی اور اختیارات
کے چھن جانے کا خوف ہو تعلیم یافتہ ہندوستانی انگریزوں کے نزدیک
اتنا ہر دلعزیز نہیں۔ اس کا منتظر رہنا چاہیئے۔

مس میو کہتی ہے اگر میدان ہندوؤں کے ہاتھ رہا اور وہ جیت
گئے۔ انگریز دست بردار ہو گئے تو اس صورت میں ہندوستان میں
خون کی ندیاں بہ جائینگی۔ اگر برطانیہ مانند رومن کے ہندوستان سے

دست بردار ہونا چاہتا ہے تو مس میو اور اس کے ثنا خوان اور چاہنے والوں
کو معلوم ہونا چاہئیے کہ ہم امریکن کے کمزور آباؤ اجداد کی طرح موجودہ
رومن (مراد انگریزوں سے ہے) کے آگے گھٹنے ٹیک کر آنسو بھری آنکھوں
سے بحر و بر کی حفاظت کے لئے بالکل نہیں گڑگڑائینگے۔ ہندوؤں نے جن
کی بابت مس میو نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ہرگز انگریزوں سے
اپنا لشکر اور بوریہ بستر اٹھانیکی التجا نہیں کی۔ ہندو بس صرف یہی چاہتے
ہیں کہ انہیں ملکی مرتبہ مل جائے۔ مس میو اور اس کے اطلاع کرنے والے
یہ خیال نہیں کرتے کہ موجودہ خود سری اور مکمل طور پر دست برداری
ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پونہچی۔ وہ خوش ہو سکتے ہیں۔ مگر سیاست مدن
ابھی اسقدر مفلس نہیں ہوئی۔

اس دوران میں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ ہندوستان
پر انگریزی حکومت کے قیام میں (جیسا کہ مس میو نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے)
اور برطانیہ پر رومن سلطنت میں کیا فرق ہے۔

اول:۔ مورخ کہتا ہے (ادمینز ہسٹری آف انگلینڈ) انکا
(رومیوں کا) ملک (برطانیہ) پر قبضہ خصوصاً فوجی تھا وہ اس جگہ کے
باشندوں میں اپنی عادات و اطوار رسم و رواج اور اپنا علم پھیلانے
میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے اور نہ وہاں کے باشندوں نے اپنی قومی
زبان کو چھوڑا۔

مس میو یہ بھی کہتی ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنے
ملک کی رسم و رواج کو قبول کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس کی

مبالغہ سے پُر رائے کے برخلاف نتیجہ یہ ہے کہ وہ اصحاب جو بلانقص کے انگریزی خوب اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ وہ بھی ہندوستانی دستور اور رسوم کے خلاف نہیں۔ میکالے کا مقصد یہ تھا۔ اور اسی کو اس کا ذمہ دار گردانا چاہیئے اس کی خواہش تھی۔ کہ ایک متوسط افراد کی جماعت ایسی بنائی جائے شکل و شباہت اور خون کے لحاظ سے ہندوستانی ہو۔ مگر اس کے ذہنی اخلاقی غرضیکہ تمام اوصاف انگریزی طریق پر ہوں۔ ایک وقت مشرق پسند اصحاب نے اس کی مخالفت بھی کی تھی۔ حال ہی میں مہاتما گاندھی نے انگریزی سکولوں کی تعلیم کے برخلاف بائیکاٹ کی آواز بلند کی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ ایسے سکول غلام خانے ہیں۔ جن کا کام لوگوں کے قلوب میں غلامی کی روح پھونکنا ہے۔ وہ اشخاص جو خیال کرتے تھے کہ انکا رویہ دوسروں سے سخت ہے۔ اور ان کا اخلاق ان سے قدرے بہتر اور اعلیٰ۔ وہ ہمیشہ یورپین طرز کے برخلاف آوازیں بلند کرتے رہے ہیں۔ رومنوں نے برطانیہ کو اپنے رنگ میں نہیں رنگا۔ اور نہ ہی انگریز ہندوستان کو برطانوی رنگ میں رنگ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی انہوں سے ایسا کیا۔

دوم :۔ ایک دوسری مشابہت انگلستان پر رومن حکومت کے اور ہندوستان پر انگریزی حکومت کے درمیان نوٹ کریں۔

واقعی قصبے اور فوجی مراکز سب رومن رنگ میں تھے۔ جیسے لیبار یکم اور ڈیوا یا تجارتی مرکز مانند لنڈن کے جن میں تمام آبادی زیادہ تر لاطینی زبان بولنے میں فخر سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ عظیم الشان کلب خوبصورت حمام اور پبلک بلڈنگ پر بھی ناز کرتی تھی (ماخوذ از اومینز ہسٹری آف انگلینڈ)

"مملکت برطانیہ میں کلکتہ تمام بڑے شہروں سے دوسرے درجہ پر ہے جو گنگا کے کنارے کلکتہ کے قریب جاکر جسکو اسجگہ ہنگلی کے نام سے پکارتے ہیں۔ واقع ہے کلکتہ جسمیں مغربی طرز پر پبلک بلڈنگ۔ پارک۔ باغات اور یادگاریں ہیں .... پُر دولت کلکتہ جس کے دروازے دنیا کی ہر قسم کی تجارت کیلئے کھلے ہیں ...." ماخوذ از مدر انڈیا مصنفہ مس میو۔

سوم۔ مورخ انگلستان کے اس حصہ کی بابت بیان کرتا ہے جس پر رومنوں کا کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

"قصبوں میں رہنے والوں کا وسیع ملک کے گاؤں کے باشندوں اور کاشتکاروں پر بہت ہی کم اثر پڑا۔ وہ اپنے بزرگوں کیطرح اپنی دھن اور خیال کے مضبوط تھے اسی طرح اپنے قومی دیوتوں کی پوجا کرتے انہیں گندا اوزاروں سے کام لیتے اور اسی قسم کے برتنوں میں کھاتے اور نیچی چھت والی جھونپڑیوں میں رہا کرتے تھے"۔

مس میو انگریزی اثر قبول نہ کئے ہوئے ہندوستان کی بابت لکھتی ہے

"پست قد سیاہ فام آدمی میلا لباس پہنے ہوئے جن کے سروں پر گھونگروالے جھنڈدار بال کنوؤں میں سے ابتک اسی سابق طریق پر ہی پانی نکالتے ہیں۔ جس طریق پر کہ آج سے ایک ہزار سال قبل کھینچا کرتے تھے اور اسی طرح بیلوں تلے چکر کھاتے ہوئے پاؤں کے نیچے کی زمین میں دانہ بوتے ہیں۔ کچے اور بوسیدہ گاؤں جس کا ہر گھر کھجور کے پتوں سے مانند بتی بجھانے کے آلے (Candle Snuffer) کے تاریک ہے کینڈل سنفر اس کو کہتے ہیں۔ جو لیمپوں میں لگا ہوتا ہے۔ اور جب

لیمپ بجھانا مقصود ہوتا ہے تو بجھانے بتی کو چھوٹا کرنے اور پھونک مارنے کے
باہر سے اس کی لگی ہوئی کمائی کے ذریعے بجھا دیتے ہیں ۔ دو پردے بتی کے
اوپر آکر کاربن کو خارج ہونے سے روک دیتے ہیں ۔ اور لیمپ گل ہوجاتا،
مس میو نے اس سے مراد لی ہے کہ جیسے وہ آلہ بتی کو بجھا دیتا ہے ۔ اور
ان ہر دو پردوں کے درمیان بالکل کم جگہ اور تاریکی ہوجاتی ہے ۔ اس
طرح وہ مکان تنگ تاریک ہوتے ہیں ۔ مترجم

چہارم مورخ کہتا ہے "رومنوں نے اپنی انجنیری اور حکمت کے
کارناموں کی وجہ سے برطانیہ کی بہت سی حالت بدل دی تھی" سنہ ۱۹۲۴ء
برطانیہ کے انجنیروں کی ہندوستان میں ضرورت نہیں ۔ مگر
ملیریا زدہ اور زرد رو ہندوستانی بلا تغیر ہی رہینگے ۔

مس میو کہتی ہے " ہندوستان کی لعنتوں میں سے ملیریا اور
اس کی وجہ سے کثرت اموات ہی نہیں ۔ بلکہ جسمانی حالت کی کمزوری
اور کاروبار کی گری ہوئی حالت بھی ہے ۔ اور اسی کی وجہ سے (ملیریا کی وجہ سے)
دیگر اور امراض بھی آگھیرتی ہیں " سنہ ۱۹۲۴ء

ایک انگریز جو اس کی بابت بہت اچھی طرح سے توجہ دلا سکتا ہے ۔
کہتا ہے " اگر ہندوستان سے ملیریا کا انسداد ہوجائے تو بہت ہی
اچھا اور خوبصورت ملک بن جائے ۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر برٹش
گورنمنٹ کے کام کرنے والے ماہران کچھ ہدایات کریں اور کچھ روپیہ
جمع ہوتا کہ حالت بدل سکے " وہی صاحب آگے لکھتے ہیں ہندوستان
ایک پر فضا ملک بنایا جاسکتا ہے ۔ اگر ہندوستان کے موجودہ حکام

اپنی توجہ کو بجائے دیگر غیر ضروری اور فضول کاموں کے اس جانب مبذول کریں جس کا تعلق زندگی صحت اور افراد کی بہتری سے ہے" وہی صاحب ایک روشن مثال پیش کرتے ہیں۔

" نہر پاناما کے کنارے پر انجنیروں کی مشکلات اور تکلیفات کے مابعد الاثرات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ انجنیروں نے وہاں پر ملیریا کے انسداد کے لئے بہت کچھ تدابیر کر کے اب اسے ایک بہت اچھا پر فضا مقام بنا دیا ہے جہاں کا ملیریا دنیا میں اپنی سمیت کے لحاظ سے ثانی نہ رکھتا تھا مس میو کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پاناما کتنا گیلا تھا۔ کیونکہ یہ مقام بنگال کی نسبت اس کے گھر کے زیادہ قریب ہے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ بنگال اور ہندوستان کے دیگر حصص سطح زمین سے نیچے ہیں۔ وہ ہالینڈ کے لیول (.level) سے زیادہ نیچے نہیں ہیں۔ میں جن دنوں نیدرلینڈ میں تھا تو مجھے وہاں ایک چیز نے متحیر کیا۔ وہ کیا ؟ میں یہ دیکھکر حیران تھا کہ اہل ہالینڈ کس طرح قدرت کی کمی کو قدرت کی دی ہوئی امداد سے پورا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں کہ قدرت کی بخشش کی ہوئی بہت سی آسانیاں ہیں۔ ہوائی چکیاں سٹیم انجن اور ہائیڈرو الیکٹرک طاقت وغیرہ لگائی جا سکتی ہیں۔

مس میو کہتی ہے کہ سرکاری ملیریا کے دافع کی تدابیر دیگر مقاموں کی طرح جہانکہ تقدم بالتحفظ کے طور پہ دیگر صورتیں اور تدابیر اختیار کیجاتی ہیں بہت بری طرح سے برباد ہو گئیں کیونکہ موجودہ حکومت ہندوستانی اثر لئے ہوئے ہے سنہ ۱۹۱۹ء میں صحت عامہ اور تندرستی ایک منتقل شدہ

مضمون قرار دیا گیا۔ گورنمنٹ گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے کیا کرتی رہی۔ جبکہ مضحکہ انگیز اصلاحات سے ہندوستان بالکل صاف تھا اور گورنمنٹ تنہا ہی سب سیاہی و سفیدی کی مالک تھی۔ اور جبکہ اس کو کسی دوسرے صلاح کار کے مشورہ کی تکلیف بھی نہ تھی؟ اصلاحات کے مخالف سوراجسٹ نے کہا "صحت عامہ پولیس اور جیل کے عوض میں ایک منتقل شدہ مضمون قرار دیا گیا۔ کیونکہ گورنمنٹ نہایت فیاضانہ طور پر گذشتہ ڈیڑھ سو سال کی ان فروگذاشتوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھی جو اس طول عرصہ میں ہندوستانی گندھوں اور جسموں کے متعلق کی تھی"۔ سوراج کے حامیوں نے ہندوستانی وزرا کو بلا روپیے کے اختیار کے حکومت اور منصب کے برخلاف مطلع کر دیا۔ کیونکہ گورنمنٹ اس پر اپنا تصرف رکھتی ہے۔ حکومت کے نشے میں جس طرح دشمن انکو ملزم گردانتے ہیں۔ بھلائی کرنیکی خوشگوار امید پر اعتدال پسندوں نے وزارت کو حاصل کر لیا۔ سر سریندرا ناتھ بنیرجی نہایت شکستہ دل ہو کر راہئی عدم ہوئے۔ اور مرتے وقت انکے دل میں ہی حسرت رہی۔ وہ یہ کہ باوجود کوشش و سعی کے انہوں نے اپنی زندگی میں بنگال سے ملیریا کا انسداد ہوتا نہ دیکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پانا ما کی طرح بنگال سے بھی ملیریا کا انسداد ہو جائے۔ مگر افسوس انکی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ وزیر نے روپیے کے لئے خواہش کا اظہار کیا۔ مگر روپیہ ملتا نظر نہ آیا۔ ہندوستانی وزرا نے اس مسلمہ امر کی تصدیق کے عوض میں نہایت تکالیف برداشت کیں مگر حکومت کیطرف سے انہیں روپیہ بالکل نہ ملا تاکہ وہ کچھہ نہ کر سکیں +

پنجم :- مورخ لکھتا ہے " رومنوں نے زراعت کو بہت وسیع پیمانے پر چلایا اور بہت ترقی دی ایک مرتبہ سخت قحط کے زمانہ میں برطانیہ کے غلہ سے فرانس کی پرورش ہوتی رہی " (غور کیجئے حالانکہ قحط تھا)

برطانیہ نے ایک نیا ارادے کا مضبوط کاشتکار دوائی لئے ہندوستان میں بھیجا جس کا پہلا کام ایک زراعتی کمیشن (Agricultural com. تھا۔ اب صرف دیکھنا باقی یہ ہے کہ کبھی خشک پہاڑوں پر سے بھی سبزی کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر لارڈ اروِن ہندوستان کی کاشتکاری کو بہتر بنانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں کوئی دوسرا شخص بھی اس کی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتا۔

ہندوستان کے غلہ کے دساور میں بھیجنے کے متعلق لوگوں اور ہندوستانی شہزادگان نے بہت مرتبہ توجہ دلائی ہے۔ کہ قحط سالی کے زمانہ میں غلہ باہر کے ممالک میں نہ بھیجا جاوے۔ ایک مہاراجہ صاحب بہادر نے ایک مرتبہ کہا تھا " حالت قابل رحم ہے کہ ہندوستانی غلہ دیگر ممالک میں بھیجا جاتا ہے جبکہ خود بھارت ماتا کے بچے جو نہایت مشقت سے اناج پیدا کرتے ہیں۔ بھوکے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ اس کا انتظام ہونا ضروری ہے کہ قحط سالی کے زمانہ میں غلہ کے دساور بھیجنے کے متعلق سخت ممانعت ہونی چاہیئے۔ تاکہ عوام الناس خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔

مس میو ہندوستان کے اس خیال پر خندہ زن ہے۔ کہ ہندوستان کا اناج دساور میں نہ بھیجا جاوے مس میو کہتی ہے کہ جس طرح ہندوستان سے غلہ باہر جاتا ہے اسیقدر آتا بھی ہے " مس میو کے الفاظ کے مطابق

ہندوستان غلہ کے سوال کے لیئے دوسرے ممالک کے برابر ہے - مگر سوراج کے واسطے سب سے بدتر ہے - دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان سے اگر غلہ باہر جاتا ہے تو اس صورت میں ہندوستان میں اناج باہر سے آتا بھی ہے - تو دوسرے ممالک کی طرح اس کو آزادی اور سوراج بھی تو ملنا چاہیئے - کیونکہ غلہ کے بارے میں وہ سب کے یکساں ہے مگر سوراج کے لئے ہی وہ سب سے برا ہے -

ششم :- فرانسیسی - اطالوی - اور مشرقی باشندے انگلستان کی تجارت میں حصہ کی غرض سے آئے - اور اسی طرح برطانوی مددگار رسالے نے امداد کے طور پر بڑا عظموں کو عبور کر کے دوسرے ممالک کو گئے "

غیر ملکی ہندوستان کی تجارت میں حصہ کی غرض سے آئے - خواہ ان میں برطانیہ کو بوجہ حکومت کے ان سب پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح کی فوقیت کی مثال ایک مرتبہ برطانوی سٹیل (ایک قسم کا پکا لوہا - فولاد) کو ہندوستانی سٹیل کے مقابلے پر حاصل ہوئی تھی ہندوستانی سپاہیوں نے سمندروں کو عبور کیا - اور انگلستان کے لئے میدانوں میں لڑائیاں کیں - میری آنکھوں کو یہ دیکھکر نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی - کہ وائی پر یپرز کے مینن گیٹ کے بڑے ستون پر ان تمام مرے ہوئے سپاہیوں کے نام کندہ تھے - جنہوں نے اپنی جانیں صرف اسی خاطر قربان کیں کہ تمام دنیا کے دولتمند ٹھیکیداروں کی سلطنت قائم رہے +

مس میو کہتی ہے کہ ہندوستان جمہوریت کے قابل نہیں۔ جو کہ اصل میں اُس کا انکا رہونا چاہیئے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ رومنوں نے انگلستان کے باشندوں کو جمہوریت قایم کرنے سے روک دیا تھا؟ رومن حکومت انگلستان کے لئے بہت مہربان اور خیر خواہ تھی۔ اور جب رومنوں نے بوجہ اپنے دارالخلافہ میں جنگ اور خرابی ہونے کے انگلستان کو چھوڑا تو اس چھوڑنے کا انگلستان پر بہت ہی اثر پڑا۔ روم پر بیرونی حملوں اور خانہ جنگی نے انگلستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وہ کیا کرتے انہیں اپنا دارالخلافہ رکھنا انگلستان کے قبضہ میں رکھنے سے بدرجہا بہتر معلوم ہوا مورخ لکھتا ہے" اس طرح برطانیہ آزاد ہوا۔ اس لئے نہیں کہ انہوں نے خود غلامی کے جوئے کو اتار پھینکا۔ بلکہ وہ انکی خوش قسمتی تھی کہ رومنوں نے خود ہی انکی حفاظت سے انکار کردیا" غریب بے یار برطانیہ نے جگر سوز اور پر درد التجائیں لکھ کر کے رومن کے دربار میں بھیجیں کہ وہ آکر پھر انہیں وحشی سیکسونوں Saxons کے دست ستم سے بچائیں۔ وحشی اور سنگدل سیکسنوں نے آکر پھر دوبارہ انگلستان کو ستانا شروع کیا۔ انکی دلدوز صدائیں اور آہ پکار ان الفاظ میں بلند ہوئی " وحشی اور سنگدل ہمکو سمندر میں غرق کرنے کی خاطر پھینکتے ہیں۔ اور سمندر پھر ہمیں وحشیوں اور ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔ ہماری یہی التجا ہے کہ ہمیں بجائے ان تکالیف کے تہ تیغ کیا جاوے کیونکہ ہمکو بچانے اور سہارا دینے والا اس دنیا میں کوئی نہیں۔

مس میو کے خیال میں انگریزوں کے دست بردار ہونے کے بعد

بالکل یہی حالت ہندوستان کی ہو جائیگی" ناداں ہنود ہندوستان
سے انگریزوں کا جانا ہی پسند کرتے ہیں" یہ مس صاحبہ کی اپنی دماغ کی
ایک ناجائز اختراع ہے۔

نہ صرف ہندو ہی بلکہ مسلمان بھی سوراج ہی کے خواہشمند ہیں
اور بہت زور لگاتے ہیں۔ بوریہ بستره باندھنے کو نہیں۔ کہ انگریز اپنا
بوریہ بستره اور لاؤ لشکر سمیت یہاں سے نکل جائیں۔ ہز امپیریل میجسٹی
دی کنگ ایمپیرر (شہنشاہ انگلستان) کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ "سالہا
سال سے اور شاید پشت ہا پشت سے محبانِ وطن اور وفادار ہندوستانی
اپنے مادر وطن میں سوراج کے خواب دیکھتے رہے ہوں*" مس میو کے ذہنی
ارتقا کے ساتھ ہی میں یہ کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستانی مدت
سے سوراج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ اگر برطانیہ ہندوستان سے
دست بردار ہو گیا جس طرح کہ رومن انگلستان سے دست بردار
ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی حالت مانند قدیم انگلستان کے ہرگز
خراب اور کمزور نہ ہوگی۔

شہنشاہ ملک معظم نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا "آج کل تم میری
سلطنت میں سوراج کا آغاز کر رہے ہو اور یہ کوشش وسیع پیمانہ پر
ہو رہی ہے اور اس کوشش وسعی کے لیئے مواقع بھی پیدا ہو رہے
کہ تم مانند دیگر ممالک کے آزادی کی ہوا کھا سکو" ہندوستانی
افراد اس بات پر مصر ہیں۔ کہ بغیر قومی فوج اور طاقت کے سوراج
کا آغاز خراب ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے ہوم رول مقدم شے ہے

* حضور شہنشاہ معظم کا ہندوستانیوں کو پیغام جو ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کناٹ نے ۱۹۲۱ء میں مجلس وضع قوانین

بہت سی بیکار کوششیں کی گئیں۔ مگر جائز کام سے ہمیشہ انکار ہی ہوتا رہا۔ فوجی بجٹ ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ذریعہ بالکل منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہندوستان میں فوجی کالج ایک بھی نہیں سوائے ڈیرہ دون کا پرنس آف ویلز ملٹری کالج ابتدائی پبلک سکول ہے۔ سر اینڈریو سکین کی رپورٹ پر ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ مگر ابھی تک برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان میں فوجی کالجوں کے اجرا کا پورا ارادہ نہیں کیا کیا انگریز ہندوستان کو اسی حالت میں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ جس حالت میں سیکسنز رومن حکومت کے دست بردار ہونے کے بعد انگلستان کو پایا تھا۔؟

مس میو جواب دیگی "ہاں" مگر انگریز کہیں گے "نہیں" اور پیرز در اور تاکیدی الفاظ میں جواب دیں گے "نہیں"

پندرھواں باب

عوام الناس و والیانِ ریاست

مدر انڈیا (بھارت ماتا) کے مطالعہ کے بعد وہ شخص جو ہندوستان کی حالت سے ناواقف ہے یہ خیال کریگا کہ ہندوستانی ریاستوں کے امرا و وزراء اور برٹش حکومت کے افراد ہاتھوں میں تلواریں لئے ایک دوسرے سے مرنے مارنے پر طیار ہیں۔ امریکن مس نقشہ کھینچتی ہے

شہزادوں کے قلوب ملکی مدبران کے برخلاف نہایت ہی ذلیل کن جذبات سے معمور ہیں اور ملکی مدبران ابلتے ہوئے پانی کی مانند حقارت کا جذبہ لئے ہوئے ان کے مخالف ہیں۔ انگریزوں کے دلوں سے ایسے خیالات اٹھ رہے ہیں۔ مگر شہزادوں اور والیانِ ریاست کے دل ان کی خرابیوں کی جگہ لئے جا رہے ہیں"۔ یہ ہے غیر معمولی نقشہ جو امریکن سیاحہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔

اگر کسی کا مقصد شہزادگان و والیان ریاست اور ہندوستانیوں کے درمیان غلط فہمی اور نقصان کا بیج بونا ہو تو وہ ایک دوسرے کی بابت غلط بیانی سے کام لیگا اور وہ بھی بیرونی دنیا میں اور بالکل یہی طریقہ امریکن سیاحہ نے اختیار کیا ہے بیان کرتی ہے۔

وہ سوراجسٹ بھول گئے کہ موجودہ گورنمنٹ نے والیانِ ریاست کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ لوجہ اپنی طاقت و اختیارات کے ایسا نہ ہو کہ ایک صدی پیشتر کی مانند بھڑک اٹھیں اور اگر ہندوستانی فوج آپس میں مل گئی تو بجائے لیجسلیٹو اسمبلی کے پیچھے لگنے کے کسی دوسرے والئی ریاست کے ساتھ نہ مل جائے"۔

یہ لوگوں کے شک اور بدگمانی کو ابھارنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے۔ والیان ریاست اور شہزادگان اور ان کی تجویزوں کے متعلق لایعنی باتیں کرنے کے بعد جب انگریز ہندوستان سے نکل گئے تو اس وقت مس میو ملکی مدبران کے متعلق شکوک پیدا کرنے کا عوض پائیگی اپنا اظہار خیال ان الفاظ میں کرتی ہے۔

والیانِ ریاست اچھی طرح جانتے ہیں - کہ جب انگریز ہندوستان سے گئے وہ آپس میں ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت کو بڑھانے کے لئے پاس والی زمین ملانی شروع کر دیگا .... موجودہ ملکی مدبران پہلے ہی جھونکے میں اڑ جائیں گے - جیسے آگ لگنے سے پہلے پھونک مارتے ہی بھوسہ اڑ جاتا ہے

اس سے آگے مس میو لکھتی ہے کہ ایک والیئے ریاست نے اس سے کہا " برطانیہ اس جگہ رہا تو برطانیہ انگریز شرفا کو بادشاہ کی طرف سے ہمارے پاس بھیجیگا - اور تمام اچھی طرح فیصلہ ہو جائیگا فیصلہ اور تصفیہ ایسا ہو گا جیسا دو دوستوں کے مابین ہوتا ہے - اگر برطانیہ دست بردار ہو گیا - ہم والیانِ ریاست فوراً تاڑ جائیں گے کہ ہندوستان کو کیسے سیدھا اور درست کیا جا سکتا ہے -

مس میو کے یہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہے کہ والیانِ ریاست تجاویز کو ستعدی اور آسانی سے منسوخ بھی کر سکتے ہیں تعجب خیزی کے طور پر کہتی ہے " بہادر اور جنگو امرا کا مجمع .... اپنے کارکنوں اور اصلاحی گورنمنٹ کے مدبران کی دلجمعی بھی کرنے سے گریز کرتا ہے - انکی نفرت اس طاقت سے ہے جس کا وہ اعتراف بھی کرتے ہیں - اور اس کے متعلق گفتگو اور بحث و تمحیص کرنا ایک رذیل و کمینہ پن خیال کرتے ہیں "

ہم حیران ہیں کہ آخر ملکی مدبر کیا خیال کرتا ہے مس میو ایک چھوٹی سی دعوت کا ذکر کرتی ہے جو دہلی میں دی گئی تھی " میزبان کی طرح تمام

مہمان ہندو بنگالی تھے۔ جن کا تعلق مغربی تعلیم یافتہ پیشہ وروں سے تھا۔ انہوں نے برطانیہ کے ہندوستان سے اخراج کی بابت ذکر کیا اور انہوں نے ہندوستان کے آئندہ انتظام کے متعلق بھی گفتگو کی۔ مس میو نے دریافت کیا "آپکی والیانِ ریاست کی بابت کیا رائے ہے؟" "ہم انکو علیحدہ کردیں گے" ان میں سے ایک نے نہایت اعتماد سے کہا اور سب نے سر ہلا کر تسلیم کیا۔"

المختصر یہ ایک برباد شدہ سلطنت کا نقشہ ہے۔ بیرونی ممالک میں کتاب کس اثر کا باعث ہوگی۔؟ یہ امر اس طرح خود بخود حل ہو جائیگا کہ رعایا اور والیان کے درمیان ایک عام معاہدہ اس امر کا ہو جائیگا کہ برطانیہ جارہا ہے۔ اب فیصلہ طلب یہ بات ہے کہ فرمانروائی رعایا کی جانب منتقل کردیجائے یا شہزادوں اور والیان کیطرف

آؤ ہم امریکہ کی ایک ٹی پارٹی کے آسانی سے گمراہ شدہ افراد کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

"کیا تم نے مدر انڈیا کا مطالعہ کیا ہے؟" نیک ہرد لعزیز میزبان عورت کہتی ہے۔ جس کی تمام نئی کتابوں کے پڑھ چکنے میں کافی شہرت تھی۔

"ہاں کیا یہ امر ہولناک نہیں! کہ برطانیہ ہندوستان کو چھوڑ رہا ہے" دوسرے نے جواب دیا "مگر دیکھو ہندوستانی ایک دوسرے سے کسقدر نفرت کرتے ہیں"۔

"اور عوام الناس والیانِ ریاست سے کیوں نفرت کرتے ہیں"

"ہاں نفرت کرنیسے نفرت پیدا ہوتی ہے اور اعتماد رکھنے سے یقین"

"کیا آزادی کی دوڑ میں والیانِ ریاست اپنی رعایا اور دیگر افراد سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے؟"

"بالکل نہیں انکا ملکی مدبران کے برخلاف خیال بہت برا ہے اور وہ انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور افسوس کی بات ہے کہ برطانوی افراد کو ان سے دینا پڑیگا - ہر دو یعنی عوام الناس اور والیان خیال کرتے ہیں کہ برطانیہ بہت جلد ہندوستان چھوڑنے والا ہے - ہاں وہ کھلم کھلا ایسی باتیں کرتے ہیں - مس میو کی بھی یاد اور حافظہ حیرت انگیز ہے جس نے والیانِ ریاست اور خود اختیار فرماؤں کے الفاظ لفظ بہ لفظ نقل کردئے ہیں - جو انہوں نے اس پر اعتماد کرکے اس سے کہتے تھے"

کیا وہ آپسمیں دوستانہ طریق پر کام نہیں کرسکتے؟"

"اوہ نہیں - کیا مِلٹن کی کتاب شیطان میں نہیں - کہ جہاں نفرت کا زخم بہت کاری لگا ہو - وہاں اصلی اور از سر نو ملاپ کا ہونا ناممکن ہے؟"

"مگر وہ زخم کیا ہیں؟ اس تمام جھگڑے کا سبب کہاں سے ہے؟"

"اوہ والیانِ ریاست اپنی طاقت فرمانروائی سے حاکم بنے بیٹھے ہیں۔ اور امرا اور رؤسا کا طبقہ مشرق میں عوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - یہی سب کچھ بنے ہوئے ہیں"

مس میو مدر انڈیا میں شہزادگان و والیانِ ریاست کی تجاویز کی بابت نہایت برا بیان رقم کرتی ہے - گویا

"یہ ایک کہانی اس شخص کی زبانی ہے جس کی راست گوئی پر میرے خیال میں کبھی بھی شک نہیں ہوا - یہ ذکر اس ۱۹۳۰ء کے طوفانی وقت کا

جبکہ ملک میں جدید قانونِ اصلاح لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا کر رہا تھا۔ اور افواہ تھی کہ برطانیہ ہندوستان کو قریب ہی چھوڑنیوالا ہے میرا آگاہ کنندہ ایک تجربہ کار امریکن تھا۔ اور وہ والیانِ ریاست میں سے ایک قابل والی کے ہاں ملاقات کے لئے گیا جو اپنی ہر دلعزیزی رعب و دبدبہ اور طاقت و اختیار میں سب سے اعلیٰ تھا۔ جس کے حکم کی عدولی کوئی نہ کر سکتا تھا۔ والیٔ ریاست کا دیوان بھی موجود تھا۔ یہ تینوں آپس میں نہایت ہی آرام سے بیٹھے ہوئے مانند دوستوں کے باتیں کر رہے تھے۔

دیوان صاحب نے کہا "حضور ہز ہائینس صاحب بہادر یقین نہیں کرتے کہ برطانیہ ہندوستان چھوڑے مگر تاہم انگلستان کی جدید طرزِ حکومت کے ماتحت وہ خراب ضرور ہونگے۔ اس لئے ہز ہائینس صاحب بہادر اپنی فوجوں کو درست کر رہے ہیں۔ سامانِ حرب اور چاندی کے سکے وغیرہ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر ہندوستان سے برطانوی چلے گئے تو ان کے جانے کے تین ماہ بعد بنگال میں کنواری لڑکی اور ایک روپیہ تک ڈھونڈنے سے نہیں ملیگا۔

"اس کو ہز ہائینس صاحب بہادر نے جو کہ بنگال سے دور فاصلے پر قریباً ہندوستان کے وسط میں بیٹھا ہوا تھا۔ نہایت خوشی سے تسلیم کیا کہ پشت ہا پشت سے اس کے آباؤ اجداد سردارانِ مرہٹہ لٹیرے اور غارتگر رہے ہیں۔ (مولف حرف بہ غور کریں) امریکن سیاحہ سنہ ۱۹۲۰ء کے پر آشوب زمانہ کا ذکر کرتی ہے جبکہ مذکورہ بالا گفتگو معرضِ وجود میں آئی۔

مگر یہی گفتگو عرصہ بیس سال کا ہوا مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے درست طور پر اور خوشی سے رقم کی ہے ۔ مسٹر موصوف لارڈ مارلے کے زمانہ میں جبکہ وہ سیکرٹری آف سٹیٹ تھا ہندوستان آئے تھے ۔ اُس نے اپنے جذبات اپنی کتاب "بیداریٔ ہند" میں ظاہر کئے ہیں ۔ بیداری ہند کے صفحہ ۲۵ پر یہ دلچسپ گفتگو درج ہے جس کو آج بیس سال کے عرصہ بعد مس میو نے اپنی طرف سے ظاہر کیا ۔ اور از سرِ نو زندہ کیا ۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے لکھا ہے :۔

"سب سے پہلے میں جس سردار سے ملا وہ مشہور و معروف سر پرتاب سنگھ تھا جسکی بابت عجیب و غریب حکایات زبان زد خاص و عام ہیں ۔ وہ اس بات پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا کہ اب اس کی عمر بہت بڑی ہو گئی ہے اور کسی دوسرے جنگ کے ہونے تک شاید وہ زندہ نہ رہے برطانوی دوستی اس کے لئے سوائے شہادت اور صفائی کے اور کچھ نہ تھی ۔ کیونکہ عمر کا وہ سنہری موقع اب گذر چکا تھا ۔ یعنی اب جوانی جا چکی تھی ۔ وہ اس امر کا متمنی تھا کہ کاش انگلستان کے ملکی مدبران کے خلاف اپنی پولو کی ٹیم لیجانے کا موقع دیا جاوے ۔ اور وہ کلب کے تمام اخراجات کا بار اٹھانیکا وعدہ کرتا تھا ۔ یہ وہ شخص ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ برطانیہ کے ہندوستان سے چلے جانے کے چند گھنٹے بعد بنگال میں کنواری لڑکی اور ایک روپیہ تک ڈھونڈنے سے نہیں ملیگا ۔ اور اسی قسم سے متعلقہ اشیا بھی ۔ وہ نہایت قوی

اور بہادروں کی اولاد میں سے ہے جس نے کہ مرتے وقت ملتان کے
والی لانزاکو بلا بھیجا ۔ کہ یہ اس کی آخری عنایت وامداد ہے ۔ اور
جنگ کا تحفہ ۔ والئ ملتان نے جب اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس
کو معلوم ہوا تو یہ بہت خوش ہوا ۔ اس نے شکریے کے طور پر شنان
کیا ۔ اور خضوع وخشوع سے بتوں کی عبادت کی اور اس بخشش
کو بتوں کی مہربانی اور کرم کا سبب قرار دیکر اپنے خیالات کو دنیا سے
بالکل جدا کر دیا ۔ (موٹے حروف پر دوبارہ غور کریں)

اس سے آپکو مس میو کے الفاظ کی صداقت صاف طور پر عیاں
ہوگئی ہے کہ اس نے اپنی کتاب مدر انڈیا میں کہاں تک سچائی
سے کام لیا ہے ۔

مس میو تمام دنیا کو یقین دلاتی ہے "کہ لوگوں اور والیان کے
درمیان رعایا اور گورنمنٹ کے درمیان سخت کشت وخون ہو رہے ہیں
جھگڑے چل رہے ہیں ۔ حالانکہ اسی کے ساتھ ہی دودھ اور شہد کی نہریں بھی
گورنمنٹ اور والیان کے درمیان چل رہی ہیں"۔

کسی ملک اور خصوصاً ہندوستان کے متعلق ایسی باتیں تریتیب
دینا خطرہ سے خالی نہیں ۔ سردار اور والیان ریاست اور جاگیردار ایسے ہی
ہیں جنکی دلچسپیاں بالکل برطانوی ہند کی رعایا سے ملتی جلتی ہیں ۔
حالانکہ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ انکا ذاتی تعلق کس دغابازفرقہ
سے نہیں جنکا یہی کام ہے ۔ کہ اعلیٰ شخصیتوں اور رعایا کے درمیان منافر
انگیز حکایات سنا کر پھوٹ پیدا کیجائے ۔

نظام حیدرآباد (رقبہ ۸۲۶۰۰ میل) کی ریاست قریباً جزائر برطانیہ
کے برابر ہے۔ (رقبہ برطانیہ ۸۸۷۰۰ میل) مہاراجہ گائیکوار بڑودہ
اور مہاراجہ نابھہ یہ خود مختار ریاستیں الگ ہیں۔ جن کے حکمرانوں اور
فرمانرواؤں کا برطانوی ہند کے ملکی مدبران کیساتھ اتفاق و تعاون
ہے۔ وہ برطانوی ہند کی ترقی اور حالت کے ساتھ ساتھ اتفاق کرتے ہوئے
اور اپنی ریاستوں میں قریباً وہی قانون نافذ کرکے اسی کیساتھ ملتے
جارہے ہیں۔ اس طرح وہ آپس میں دوست اور اپنی اصلاح کر
رہے ہیں۔ مسس میو نے دنیا کو یقین دلایا ہے کہ فرمانروایان ہند
ملکی مدبران کیساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ہز ہائینس گائیکوار بڑودہ
نے سر سریندر ناتھ بینرجی کے لئے وزارت اعلےٰ پیش کی۔ جن دنوں میں
بنگال کی تقسیم کے بارے میں لارڈ کرزن کی مخالفت ہو رہی تھی
ان دنوں سر سریندر ناتھ کو بنگال میں سب بے تاج کا بادشاہ
کہتے تھے۔ اور بہت مشہور تھے۔ مگر آخر ہز امپیریل میجسٹی ملک معظم
کی وزارت کے لئے کون اٹھا تھا؟۔ اگر سر سریندر ناتھ اس وزارت
کو قبول نہ کرتے تو یہی ہوتا کہ وہ بنگال میں اس سے قبل منتخب ہو چکے تھے
اربابند و گھوش جنہوں نے کہ بنگال کی تحریک میں خاصہ حصہ لیا۔ وہ
ریاست بڑودہ کا سب سے اعلےٰ افسر تعلیم تھا۔ مہاراجہ میسور
نے مہاتما گاندھی کو ریاست کی جانب سے دعوت دی۔ اور طلب
کیا۔ نظام حیدرآباد نے نیشنلسٹوں کی پالیسی پر عمل کرنا شروع
کردیا۔ اور ریاست کے تمام کاروبار کو ہندوستانی رنگ میں

رنگن اور بنانا شروع کردیا۔ اور یورپین اشخاص کو خارج کرنا شروع
کردیا کیونکہ یہ معاملہ نظام اور وائسرائے کے درمیان بذریعہ خط و کتابت
بحث کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستانی والیان ریاست میں
سے مہاراجہ نابھ رائے بہادر ہیرا سنگھ کمال شخصیت کے انسان
ہیں۔ جو دوسروں کی باتوں پر ذرا کان نہیں دیتے۔ جو یہ کہتے ہیں
برطانوی ہند اور ریاستہائے ہند جیسی دیوار کی طرح الگ الگ
ہونی چاہئیں۔ کیونکہ ان کا کام ایک دوسرے کے دل میں بدگمانی
اور حسد ڈالنا ہے۔ مگر مہاراجہ نابھہ انکی باتوں کی پرواہ تک نہیں کرتے
گورنمنٹ کو یہ معلوم تھا کہ اس کو قدرت نے انتظامی قابلیت
و استعداد بہت عطا کی ہوئی ہے۔ اپنے مطلب کی غرض اور
ضرورت سے گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ مہاراجہ رائے بہادر ہیرا سنگھ
کو بطور ایک انتظامی ممبر کے پرانی شاہی مجلس نئی لوٹن سازان میں
مقرر کر دیا جائے۔ بجائے آفیسروں کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کے
مہاراجہ صاحب بہادر کا تعلق مخالف پارٹی کے لیڈر اعظم گوپال کرشن
گوکھلے کے ساتھ ہو گیا۔ وہ پونا کے فسٹ کلاس پولیٹیکل اشروع کے
محرک سے وعدہ کر کے بہت خوش ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ بغاوت
آمیز میٹنگ بل کی مخالفت کی جائے۔ مگر یہ ایک منتخب شدہ
حاکم کے لئے بہت خراب تھا۔ ایک ممنوع امر تھا کہ ایک ہندوستانی
ریاست کا ہونیوالا فرمانروا اور گورنمنٹ کا منتخب شدہ ممبر
ایسا کام کرے۔ ملکی مدبران اور پبلک اپنے ضعیف حافظہ کو

نوٹ کر سکتی ہے۔ وہ جماعت جس کی بابت مس میو بیان کرتی ہے۔ انکا حافظہ اور یاد بہت زیادہ اور طاقتور ہے۔ وہ پرانے افسوسناک واقعات کو یاد رکھتے ہیں اور موقع آنے پر اپنا کام کرنے سے ہرگز نہیں چوکتے

مہاراجہ صاحب نے اس جماعت کو اسقدر تنگ کیا کہ نہ تو وہ بھول ہی سکتے ہیں۔ اور نہ وہ معاف ہی کر سکتے ہیں۔ وہ دن تھے کہ جب مانٹیگو کی اصلاحات جدیدہ کے عہد کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔ اعتدال پسند ملکی مدبر گو کھلے جیسے پر بھی بدگمانی ہو گئی۔ جس نے کہ بخوشی برطانوی قانون اور ونڈسر کی شاہی مجلس کیا بلکہ متعلق رہنا خوشی سے قبول کیا تھا۔ ہندوستان کے برخلاف اخبارات نے اس کو حیدرباز محرک خیال کیا۔ سی۔ آر۔ داس کی طرح جو کہ بنگال کا آتش گر مقرر تھا۔ اور سب سے زیادہ جانفشانی کرنیوالا لیڈر تھا۔ اور جس جیسا ہندوستان کی سرزمین نے کبھی نہ پیدا کیا اور نہ شاید پیدا ہو سکے۔ گو کھلے بھی اس کی وفات کے بعد آفیسروں کی تحسین کے قابل تھا۔ اگر داس کیوقت صدائے تحسین زیادہ بلند تھی تو یہ اس لئے تھی کہ اس کی جانفشانی و قربانی دوسروں کی نسبت زیادہ تھی اس کا سیاست مدن کا علم بہت وسیع اور لوگوں پر اس کا اختیار و طاقت اصلی اور حقیقی تھی۔ داس ایک مختار خود محرک تھا۔ اور صاف طور پر خطرناک۔ گو کھلے ایک خطرناک معاملہ فہم شخص تھا۔ جس کی عقل ملکی کاموں میں بظاہر مانند ٹھیری ہوئے پانی کے مگر بہت گہری تھی۔ اسی وجہ سے ہونیوالے نابھہ کے مہاراجہ نے

اس سے تعلق پیدا کرلیا - یہ گوکھلے کا سیاست مدن کا علم تھا جسکی
مہاراجہ نے تعریف و توصیف کی - یہ گوکھلے کا ہی نقشہ اور تجویز تھی
جس کو اس نے سپیچ اور ووٹ کے دو میدان میں منظور کرلیا - کچھ تعجب
نہیں کہ رلئے پدامن سنگھ اپنے بزرگوں کی گدی پر بیٹھنے سے بہت عرصہ
قبل مس میو کے کہنے کے مطابق کی جسکی بابت وہ بیان کرتی ہے کہ اس
فرقہ کی خراب فہرست میں تھا - انہوں نے (اس جماعت نے جس کی بابت
مس میو لکھتی ہے) اس کو نیچا دکھانیکا اور خراب کرنیکا تہیہ کرلیا تھا
جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے -

ہندوستان میں بہت سے مہاراجے ہیں - کچھ تو ملکی معاملات
میں خوب ماہر دوربین اور خود مختار ہیں - دوسروں کا اپنا ذاتی نقطہ نگاہ
کچھ بھی نہیں - اور وہ فطرتی وزیروں کا شکار ہو رہے ہیں - کچھ اور ہیں جو
بالکل ہی ناکام ہیں - موخر الذکر فرقہ کی بابت لارڈ سیڈنیہم نے لکھا ہے
"وہ خاص آفیسروں کی تعداد جن میں مہاراجہ بیکانیر - الور - پٹیالہ
کشمیر اور رتلام شامل ہیں - انہوں نے وائسرائے کیساتھ اپنے جائز
مطالبات اور بے چینی کے اظہار کے لئے مشورہ کیا - تاکہ ان کے مطالبات
کے صحیح ہونے پر نظر ثانی کیجاوے"

مگر مہاراجگان کی وفاداری خواہ وہ خود مختار اور پبلک کے خیر خواہ
ہوں - حیرت انگیز ہے - وہ ہمیشہ ہونہار نیشلسٹ آجتک پیدا نہیں ہوا
جب اس کے جھگڑے اور اختلافات گورنمنٹ کے ساتھ تھے - جن کا
آخر میں نتیجہ سلطنت یا ریاست سے دست برداری نکلا - اس وقت بھی

* ہز امپیریل میجسٹی شہنشاہ انگلستان کے وفادار رہے ہیں ہندوستان میں نابھہ کے مہاراجہ رپا ئے پدامن سنگھ جیسا

اُس کی شہنشاہ جارج پنجم سے وفاداری بے نظیر طور پر قائم تھی۔
ویسا ہی مہاراجہ صاحب نے ۵۰۰۰ پونڈ بطور یادگار پیش کئے۔ تاکہ
شہنشاہ جارج پنجم کی سالگرہ کی تقریب جو قریب ہی ۳ جون سنہ ۱۹۱۳ء
کو ہوگی۔ نہایت تزک و احتشام سے منائی جائے۔ کیونکہ یہ مہاراجہ صاحب
کی دلی خواہش تھی۔

بعض پرانی طرز اور دقیانوسی خیال کے آدمیوں نے یہ خیال کیا
ہوگا کہ یہ پیشکش بہت ہی قبل از وقت ہے۔ اس لئے کہ مہاراجہ اور
رائل فیملی (شاہی خاندان) ہر دو اس وقت تک اس کے والد کی وفات
پر ماتم کر رہے تھے۔ مگر اس کے برخلاف مغرب میں ایک روشن واقعہ تھا
"بادشاہ فوت ہوگیا ہے۔ خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے" مقام غور ہے
کہ اس موقعہ کو مہاراجہ نابھہ کیسے جانے دیتا۔ جبکہ حضور شہنشاہ ملک معظم
ہندوستان میں آئے تھے اور اس کی سالگرہ کا دن بھی قریب تھا
اور وہ اپنی نوع کا ایک پہلا بادشاہ تھا۔ جو ہند کی سرزمین پر
تشریف فرما ہوا تھا۔ مہاراجہ صاحب بہادر کے لئے اس سے بہتر
اور کوئی موقعہ اپنی وفاداری کے دکھانے کا نہ تھا۔ کیونکہ صرف اس ایک
ہی آمد شاہی نے شہزادگان و مہاراجگان اور رعایا کے دل تسخیر
کر لئے تھے۔

سب مہاراجگان میں سے مذکورہ بالا سلوک ہے اس بہادر اور قوی مہاراجہ
کا شہنشاہ انگلستان کے ساتھ گو اس کو اس کے اپنے جھگڑے کے
معاملہ میں کسقدر نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ جب جنگ عظیم شروع ہوئی۔ مہاراجہ

نابھہ ہی سب سے پہلا شخص تھا۔ جواپنی تمام ریاست کا تمام مال و دولت گورنمنٹ کے ادنےٰ سے اشارے پر قربان کرنیکو تیار تھا۔ حالانکہ اس کی ریاست اتنی وسیع نہ تھی۔

یقیناً جب سب سے زیادہ عالی دماغ سب سے بڑھا ہوا ہے .....
اور سب سے زیادہ اختیار والا والئی ریاست اپنی رعایا اور اپنے آقائے نامدار شہنشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ اور ہر وقت طیار رہتا ہے۔ تو اس صورت میں مس میو کی غلط بیانیوں پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے۔ جو یہ کہتی ہے کہ والیانِ ریاست آپس میں برطانیہ کے اخراج کی باتیں کرتے ہیں۔

سولھواں باب
ہم دوسروں کی نظروں میں

غالباً یہ امر باعث خوشی ہوگا کہ اگر ہم ان انگریز اور انگریز خواتین کی آراء سے ناظرین کرام کو آگاہ کر دیں جنہوں نے ہندوستان کو دیکھا اور جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مدر انڈیا کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر ایسے اصحاب بھی ہیں جو اپنے نام سے لکھنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ وہ اپنی فطرتی جھجک سے مجبور ہیں۔ مگر ان کے برعکس وہ آدمی ہی نہیں ہے جو الزامات کو بعینہٖ جیساکہ وہ واقع ہوئے ہیں لکھتا ہے

"یہ اس شخص کے لئے بہت مشکل ہے۔ جو سادہ لوح عزیز اور ثابت قدم

ہندوستان کے باشندوں کی بابت جانتا۔ اور معلومات رکھتا ہے"
مس میو کی کتاب کے متعلق سر جان مینارڈ آئی۔ سی ایس (ریٹائرڈ) لکھتے ہیں :-

"یہ اشارہ کہ تمام ہندو آبادی تناسلی امراض میں گرفتار ہے اس کی تردید تو صرف ایک طبابت پیشہ شخص ہی کر سکتا ہے۔ جس نے ان اشخاص کے درمیان رہ کر اپنی پریکٹس کی ہو"

ہندوستانیوں کی جسمیں تعلیم یافتہ طبقہ بھی شامل ہے۔ مکروہ عادات کے بدلے میں ایک انگریز نامہ نگار لکھتا ہے

"میرے حلقۂ اصحاب میں تمام تعلیم یافتہ افراد شامل تھے۔ تمام کے تمام بہت ہی اعلےٰ تعلیم یافتہ نہ تھے۔ تاہم وہ ہر روز علے الصباح جبتک غسل نہ کر لیتے اپنے آپ کو سوسایٹی کے میل ملاپ اور کھانے کے ناقابل تصور کرتے تھے۔ غسل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو ان تمام کاموں کے قابل خیال کرتے تھے۔ مگر قبل از غسل وہ کھانا کھانیسے قبل و بعد دو نو مرتبہ ہاتھ دہونے کے عادی تھے۔ کھا چکنے کے بعد اپنے دانتوں کو خوب اچھی طرح صاف کیا کرتے تھے۔ انکی صفائی کی بعض عادات یورپینوں کو بھی محو حیرت بنائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ خصوصاً کھانا پکانے کی انکی باریک بینی کھانا پکانے کے معاملہ میں قابل رشک ہے۔ میرے خیال میں غالباً وہ بوجہ آب و ہوا کے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ انکا دستور العمل ہی یہی ہے۔ اور مذہب بھی یہی سکھاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اس محافظِ صحت اصولوں پر عمل پیرا ہیں"۔

بچپن کی شادی کے متعلق وہی شخص رقمطراز ہے۔

"معاملات کی تہ کو پہنچ کر میں نے کبھی کسی بچپن کی شادی کی مخالفت نہیں کی۔ میرے ایک دوست کی جس کی عمر ۱۸ سال کی ہے۔ واقعی ۱۲ سال کی عمر میں شادی ہوگئی تھی اور یہ درست ہے۔ مگر وہ اپنی عورت کا منہ تک نہ دیکھ سکا۔ حالانکہ وہ اس کے باپ ہی کے گھر میں یعنی اسی دوست کے گھر میں رہتی ہے۔ اور باپ اس کی پوری طرح محافظت کرتا تھا۔ میں نے اکثر مرتبہ سنا ہے کہ بچپن کی شادی اس لئے بہتر ہوتی ہے کہ منکوحہ عورت اپنے سسرال کے ہاں بچپن سے ہی آجائے تاکہ وہ اسی عمر سے ہی تمام کنبے اور خاندان کی عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔ اور بڑی ہو کر اس کو وہ تکالیف نہ دیکھنی پڑیں جو اکثر جوان عورتوں کو پیش آتی ہیں یہ بچپن ہی سے ہر طبیعت سے بخوبی واقف ہو جائے۔ مگر یہ طریقہ قریبی خاندانوں میں برتا جاتا ہے مگر شادی کیلئے جسمانی حالت قبل از بلوغت کامل نہیں ہوتی۔ (یہ میں اس جماعت کی طرف سے کہتا ہوں۔ جس میں کہ یہ میرا تجربہ ہے کہ شادی قبل از بلوغت نہ ہونی چاہیئے)۔ لاہور میں ایک کالج بنا ہوا ہے (رہائشی سکول) جس میں بلاتمیز مذہب ہندو اور مسلمان رؤسا کی لڑکیاں رہتی ہیں۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ وہ وہاں ۱۶ سال اور کبھی اس سے بھی زائد عمر تک رہتی ہیں۔ یہ میرے بیان کی ایک شہادت ہے کہ اعلےٰ طبقہ میں بچپن کی شادی اب متروک ہوتی جا رہی ہے۔"

مسٹر بی۔ جی۔ ہارنیمین ایک انگریز جس نے ہندوستان کی بابت زحمت گوارا کر کے نہایت انصاف سے مگر حقارت آمیز غصہ سے مس میو کی کتاب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں

"اعتراضات صرف اس لئے گئے تھے کہ ہندوستانیوں کا امریکہ کی نگاہوں میں تذلیل کیجائے۔ ہندوستان کی حمایت جسقدر کیگئی وہ سب پرچیاں ہے۔ مصنفہ نے اپنے آپ کو پروپیگنڈا پھیلانیوالوں کے ارادوں سے ایک جانب رکھنا چاہا۔ مگر اس کا یہ بہانہ نہایت گستاخانہ اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ اس نے ہندوؤں کی مقدس تحریریں بالکل سچی لکھی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی کانگریس کے سامنے ایک بل موجود ہے جس کا نام "ہندوؤں کے حقوق شہری کا بل" ہے۔ جس کا آغاز سینیٹر کوپلینڈ نے کیا ہے۔ اس کے فوراً ہی بعد فیصلہ سے جو سب سے بڑے کورٹ سے صادر ہوا تھا۔ ہندوؤں کو محروم قرار دیا ہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے حقوق شہری نہیں حاصل کر سکتے۔ اور اس لئے وہ ناقابل تقرر ہیں۔ وہ اشخاص جنہوں نے مس میو کو ایک طرف کر دیا ہے۔ لاریب انہوں نے امریکن قلوب کی سیاہی کا تخمینہ کر لیا ہے۔ کہ انہوں نے (امریکن) ہندوستانیونکو سخت مخرب اخلاق گردانا ہے

"رہا اس کی کتاب کا اثر ہندپر سو ہمیں اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ اگر ہندوستانیوں نے ابتک ہندوستان میں امریکنوں کی خوش خلقی اور تحمل دکھایا ہو۔ تو اس صورت

میں نفرت وحقارت کا جو جذبہ کتاب سے عیاں ہوتا ہے۔ وہ انہیں ہندوستان کی نگاہوں میں ذلیل کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے مسٹر ڈی۔ ایف۔ میک کلیلینڈ جو مدارس میں نوجوان عیسائیوں کی مجلس کے جنرل سیکریٹری ہیں۔ اور خود ایک امریکن ہیں۔ انہوں نے کہا ہے۔

"ایک بہت تھوڑا عرصہ ہندوستان میں رہنے کے بعد ایک میری ہموطن عورت اسقدر بے باکی سے ہندوستان کی حالت نہایت نازیبا الفاظ میں لکھے کہ تمام ملک ہی ذلت اور غریبی میں مبتلا ہے بطور ایک اہل نظر ہونے کے جس کی بہت سی باتیں امتحان کی تاب لاسکیں گی۔ اس کے علاوہ بہت سی۔ مبالغہ آمیز تحریرات کے بعد کے نتیجے سے جو کہ اس نے اپنی طرف سے نکالے ہیں سراسر بے بنیاد اور لغو جھوٹے ہیں۔ ہندوستان میں میرا قیام ۱۹۱۵ء سے ہے۔ اور اس عرصہ میں میں نے تمام فرقوں میں دورہ کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کے برخلاف بلا تامل گرمجوشی سے صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ دور دراز کے باشندے اس کو صحیح تسلیم کریں گے۔ کیونکہ اس کی طرز ہی ایسی ہے جس سے ذاتی تجربے کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ تعصب اور یکطرفی کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی ناشائستہ و نازیبا کتاب امریکنوں کی بابت یا کسی دیگر مغربی قوم کی بابت لکھی جاوے۔ اس وقت ہم بحیثیت ایک مغربی ہونے کے اس کی غلط بیانیوں کی بابت ضرور اس کی مخالفت کریں گے۔"

سر رگینالڈ کریڈاک - آئی سی - ایس ریٹائرڈ کی رائے ہیں :-
"تصویر کا رخ اور نقش نہایت ہی تاریک ہے - کیونکہ مصنفہ نے تاریک جوانب ہی نظر دوڑائی ہے - کیا مہیب اشکال و نقشے ہی بہت زیادہ تعداد میں تھے - کیا صدیوں سے اس خطرناک نظام کو ان اقوام میں سے کسی نے درہم برہم نہ کیا ؟ برخلاف اس کے ہندوؤں کے مذہبی اور سوشل رسم ورواج اور طرائق نے بہت بڑی حد تک بدھ مت اسلام اور عیسائیت کی معتقد کرنیوالی کوششوں کا مقابلہ کیا ہندوؤں کے خاندانوں کا آپسمیں ملاپ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے - جو ان کو (ہندوؤں کو) مضبوط بنائے ہوئے ہے - یہ اپنے محدود حلقہ میں بہت عمدہ خاندانی تعلقات و محبت خدا ترسی - اور قابل رشک جانفشانی کا جذبہ لئے ہوئے ہے (یعنی ہندو دھرم) جس کا ہر ذی روح انسان شاہد ہے"۔

کیپٹل (Capital) کلکتہ کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے - جس میں مسٹر ڈچر نے جو کہ ایک بہت مشہور ماہر انشا ہے ایک دلچسپ مضمون مدر انڈیا کی بابت لکھا ہے - اخبار کا ایڈیٹر مسٹر پیٹ لووٹ ایک قابل آدمی ہے - لکھا ہے -

"سب سے پہلے اس نے سب سے بڑے مضمون نگار کی تقدیق کی کہ آجکل ایک فروخت کنندہ دس میں سے نو کی تعداد میں خراب ہوتا ہے - دوسرے یہ کہ امریکنوں کی کج ادائی اور فہمی و عقلی بدذیانتی ایک بہت ہی خطرناک ہے - اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ اس

کی شیطانی کاموں کی جانب رغبت ہے اور خواہش ہے کہ ہسپتالوں
کی تعداد میں اضافہ کیا جائے ۔ تاکہ سنگدلوں کو شیطانی کام کی وجہ
اور انکے عوض میں سب افراد کو زنا جیسے مکروہ فعل کے الزام میں گنہگار
ٹھیرایا جاوے ۔ کتاب علمی خوبیوں سے یکسر معرا ہے ۔ یہ کتاب نویسی کا
بہت ہی خراب طریقہ ہے ۔ یہ کتاب اکثر مانند گرم کیک کے فروخت ہوئی
ہے ۔ کیونکہ اس میں بیماری کا مادہ ہے ۔ اور زیادتی سے اس لئے بکی
ہے ۔ کیونکہ اس میں ہندوستان کے ہوم رول کی صدا کے برخلاف
پروپیگنڈا ہے جو کہ روحانی زمانہ میں شائع ہوا“ ۔

ہیجر گراہام ایل میں میو کی کتاب پر بطور ریویو کے نیولیڈر میں لکھتے ہیں
”اس کی دلچسپی ہندوستان کی بیمار سوسائیٹی سے ہے ۔ وہ پہلے
باب میں ہے جذبات کا نقشہ کھینچنے کیطرا ایسی فضا پیدا کرتی ہے
جس سے کیا ہم کیا ہندو سبھی اپنے مذہبی دستور العمل سے منحرف قرار
دئے جاتے ہیں ۔ وہ بیان جو اس نے قلمبند کیا ہے ہندوستانیوں
کی رسوم میں داخل نہیں ہے ۔ اور اگر وہ رسوم ہیں بھی تو نہایت ہی
اسفل اور ادنے طبقہ کے جاہل اس کے خوگر ہیں ۔ ہندوستان میں
سوشل اور مذہبی رسوم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم اشیا
ہیں ۔ ہندوستان کی شادی کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنے کے
لئے اس نے شفاخانوں اور طبابت پیشہ اصحاب کی رپورٹوں کیجانب
رجوع کیا ہے ۔ حالانکہ بیانات کی اصلیت اگر دیکھی جائے تو کچھ بھی
نہیں ۔ اور اگر ہے تو بہت کم جو ان کی پریکٹس کے دوران میں بہت

ہی کم دیکھنے میں آئی ہے۔

"وہ لکھتی ہے کہ ہندوستان کی نوجوان لڑکیاں آدمیوں کی دسترس سے بغیر کسی خاص حفاظت کے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ اور میرے خیال میں یہ ایک بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ اگر مس میو برطانیہ میں آئے اور شفاخانوں کا ملاحظہ کرے تو برطانوی زندگی کو نہایت ہی تاریک رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کرے۔ اور اگر وہ چند دن پولیس کورٹ میں رہ کر وہاں کے حالات دیکھے۔ تو اس پر برطانوی خاندانی زندگی کی تاریکی اور روشنی بالکل روشن ہو جائے۔ یا وہ ہمارے ملک کے اخلاق کو ہی لے۔ کیا ہم امریکن تماشوں کی فلموں سے وہاں کے اخلاق کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟۔ یہ ہمارے لئے بہت ہی طعن آمیز بات ہے کہ مس میو ہندوستانی تہذیب کا ایسا بری طرح خاکہ کھینچے گورنمنٹ کو لازم ہے کہ وہ امریکن کمپنیوں کے فلموں کے برخلاف ایک قانون نافذ کرے۔ جو ایک گندی تہذیب کا نمونہ اور مخرب اخلاق ہیں۔ تاکہ ان مخرب اخلاق فلموں کا اثر ہندوستانیوں پر نہ پڑے"۔

میں یادداشت کے طور پر مسز اینی بسنت کی رائے قلمبند کرتا ہوں۔ جو ہندوستانیوں کی ایک شریف اور سچی خیرخواہ ہے اور اس جیسی عورت ہندوستان میں اس سے قبل نہ تھی۔ اس نے اپنے تعلقات اور دلچسپیوں کو اپنی مادر وطن کے مطابق بنا لیا! ور اس نے اپنی زندگی ہندوستان اور انسانی ہمدردی کے لئے وقف کر دی۔ "وہ یہ ایک عجیب پیشکش ہے"۔ لکھتی ہے:۔

"میں نے اپنے وقت کا بہت سا حصہ ۱۸۹۳ء سے ہندوستان میں صرف کیا۔ میں مانند ایک ہندوستانی کے رہی اور گھروں میں نہایت تواضع سے جاتی رہی اور وہ (ہندوستانی) مجھے اپنا ہی خیال کرتے رہے۔ مگر اس لمبے عرصہ میں مجھے کبھی بھی ایسے خطرناک واقعات کا جس کا کہ اس نے (مس میو) ذکر کیا ہے۔ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں بچپن کی شادی کے برخلاف بہت سے ہندوستانی مزدوروں اور عورتوں کیساتھ بلکہ پرچار کرتی رہی۔ ہر فرد بخوبی جانتا ہے۔ کہ ہندوؤں میں پہلی شادی صرف منگنی ہی ہوتی ہے۔ گولڑ کا مرجانے کے بعد وہ صغرسن لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے۔ اور صغرسن عورت اپنے ماں باپ کے گھر دوسری شادی کیوقت تک رہتی ہے۔ مجھے اس کتاب (مدر انڈیا) کی سب سے پہلے ایک جلد ملی۔ کتاب کھولتے پر پہلی نظر پہلے باب پر پڑی۔ جسکی سرخی "مانڈے کی سواری" تھی جس میں کالی گھاٹ کے مندر کے متعلق لکھا ہوا تھا۔ مس میو کو مندر میں ایک برہمن دوست لے گیا۔ جو سفید ڈھیلے پاجامے اور سفید چغہ میں ملبوس تھا۔ اور یہ ایک عام بنگالی لباس ہے۔ (مدر انڈیا) آخری الفاظ کیا ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ برہمن عام دھوتی اور شال پہنتے اور اوڑھتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کی تہ میں بالکل بے بنیاد تحریک پوشیدہ ہے"۔

آخر میں میں چند مستند اور مختار ہستیوں کی آرا نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جیسے مسٹر اے سی۔ چیٹرجی۔ ہندوستان کے

ہائی کمشنر سر تیج بہادر سپرو۔ وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل کا ایکس ممبر۔ سر چمن لال سیتل واد۔ بمبئی کے گورنر کی ایگزیکیٹو کونسل کا ایکس ممبر۔ مسٹر سچیدا نند سنہا۔ بہار و اڑیسہ کے گورنر کی ایگزیکیٹو کونسل کا ایکس ممبر۔ مسٹر ایم۔ ایم بھوا نگری۔ مسٹر ویب۔ بیرسٹر ایٹ لا جو ستر پجسٹی کی پریوی کونسل کے آگے پریکٹس کرتے ہیں۔ مسٹر کامات جو رائل کمیشن کاشتکاری کے ممبر ہیں۔ اس کے علاوہ تمام ہندوستان کے سیکریٹری آف سٹیٹ کی کونسل کے تمام ممبران جیسے سر محمد رفیق صاحب۔ مسٹر ایس۔ این ملک اور ڈاکٹر پرانجپائے:۔

آرا ملاحظہ ہوں

"ہماری توجہ کو ایک جدید طبع شدہ مدر انڈیا نامی کتاب کی طرف منتقل کیا گیا۔ جو ایک امریکن سیاحہ مس کیتھرائن میو نے لکھی ہے۔ اور جو ہندوستان میں ۱۹۲۵-۲۶ء کے موسم سرما میں آئی تھی۔ ہمارا شیوہ ایسی بیہودہ کتابوں کے پڑھنے کا نہیں ہے۔ جس میں کہ ہندوستانی تہذیب کی مخلوط طور پر تذلیل کی گئی ہے۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ تمام دیگر موسم سرما کے سیاحوں کی طرح مس میو کو بھی رائے دینے کا حق تھا۔ لیکن جب ایک غیر ملکی جس نے کہ صرف چند ماہ ہی ہندوستان میں بسر کئے ہوں۔ وہ دیگر کتابوں رسالوں سے خوشہ چینی کرکے ایک بالکل بے بنیاد نتیجہ نکالتی ہے اور اپنے آپ کو اس طریق سے بری قرار دیتی ہے کہ اس نے یہ تمام مواد

فلمی رپورٹوں اور رسالوں وغیرہ سے اخذ کیا ہے ۔ اس کے بعد پھر وہ ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک اُس کے باشندوں اور اُسکی تہذیب پر بالکل بے سروپا اتہام لگا کر تمام ملک کو ملزم گردانتی ہے اس لئے ہم اس پر معترض ہوئے ہیں ۔

"وہ اپنے بیان میں تمام بتیس کروڑ ہندوستانیوں کو ذلیل اور جسمانی طور پر کمزور قرار دیتی ہے ۔ اور لکھتی ہے کہ سب کے سب جھوٹے دغاباز اور اخلاق سے برگشتہ ہیں ۔ اگر کوئی بیباک ہندوستانی اسی طرح کا فیصلہ کسی مغربی قوم کے متعلق دے اور یورپ یا امریکہ میں چند ماہ قیام کے بعد وہ تمام مغربی اشخاص اُنکی تہذیب و اخلاق پر الزام و اتہام لگائے ۔ اور اپنے بیان کی تصدیق کے لئے وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے اور سنسنی خیز واقعات اخلاقی گمراہی اور جسمانی و بدنی کمزوری پیش کر دے ۔ جس کی شہادتیں کچہریوں ہسپتالوں اور ذاتی تجربات حکام کی رپورٹوں ۔ اخبارات و رسالوں کے علاوہ دیگر مثالوں سے بھی ملتی ہیں پیش کرے تو اس کے جائز اور درست فتوے کو جھوٹا قرار دیکر اسے ناقابل توجہ قرار دیا جاویگا ۔

"تعجب خیز بات ہے کہ جہاں مس میو کے لئے ہندوستانی زندگی کی خرابیاں جاذب نظر ہوئیں ۔ اس صورت میں اس کو ملک کے دیگر شعبوں سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے تھی ۔ مگر اس نے ملک کے دیگر شعبوں میں جو گذشتہ نصف صدی سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہیں ۔ سوشل اصلاحات ۔ تعلیمی ترقی اور

انکی درستی کے مسائل پر بالکل غور نہیں کیا - اور نہ ہی اسکو اتنا موقعہ ملا کہ ہندوستانی خیالات اور سوشل اصلاحات کے نامور اور مشہور لیڈروں سے ملتی تاکہ ان سے کچھ معلومات حاصل کر سکے -

"یہ ہمارے لئے ایک بہت مشکل کا مقام اور موقعہ ہے - کہ ہم بالتفصیل ان تمام وحشیانہ غلط بیانیوں کی تردید کریں جن سے کہ اس کتاب کا ہر صفحہ رنگین نظر آتا ہے - ہم ایسی خراب خاصیت کی کتاب پر تمام توجہ کرنیکی ضرورت محسوس نہ کرتے - مگر جب ہم نے دیکھا کہ اس کتاب کی طباعت نے برطانوی اخبارات میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے - اور یہ ہندوستان کے لئے ایک نقصان کی وجہ روشن ہے - اس موقعہ پر ہمارا فرض ہے کہ تمام برطانوی پبلک کو اس کتاب کی غلط اور تعجب خیز باتوں سے فوراً آگاہ کر دیں"

لنڈن کے ایک مشہور روزانہ اخبار نے مدر انڈیا کا تحسین آمیز الفاظ سے خیر مقدم کیا ہے - اور اس نے مذکورہ بالا جواب کو اپنے اخبار میں شائع کرنے سے گریز کیا ہے - اس پر شرح اور حاشیہ آرائی فضول معلوم ہوتی ہے -
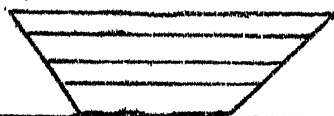
سترہواں باب

"کدال کدال ہی ہیں"

مس میو کدال کو کدال کہے۔ اُس نے اپنے ایک باب کا عنوان "کدال کدال ہی ہیں" رکھا ہے۔ اور اسی طرح یاد کرتی ہی۔ خواہ کسی وقت میں کدال کو زرعی آلہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں۔ مگر یہ نہ ہو گا کہ کدال برچھی ہی بنجائیں مجھے نہایت دل کی صفائی سے کہنا چاہئیے کہ تعلیم یافتہ امریکن باشندوں نے مس کی اس کتاب کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میں جن دنوں میں سٹریٹفورڈ میں تھا۔ ایک دن مجھے مسز لیگیٹ اور مس میکلوڈ سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ یہ دونو انگلستان اور امریکہ کی سوسائیٹیوں میں مشہور ہیں۔ ملنے کا اتفاق ایک تاریخی مکان جو شیکسپیر کی لڑکی کا "ہالز کرافٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہُوا۔ جو آجکل امریکن خاتون کے پاس ہے۔ میں نے مس میو کی غیر تاریخی کتاب کا حوالہ دیا۔ مسز لیگیٹ نے فوراً اور صحیح طور پر سمجھ لیا۔ کہ مس میو نے کیا لکھا ہے۔ "اس نے چند فحیہ خاتون کو دیکھکر تمام قوم کی حالت کا نتیجہ نکال لیا"۔ مگر مس میو تو کہتی ہے کہ صرف رنڈی خانے ہی نہیں بلکہ ہسپتال بھی ہیں اس کے بیان کے مطابق "غیر ملکی آدمی کے لئے ہندوستان کی سوسائیٹیوں کی حالت معلوم کرنیکا سب سے بہتر ذریعہ زنانہ ہسپتال

اور یہ میں پنجاب سے بمبئی تک اور مدراس سے صوبجات متحدہ تک ملاحظہ کیا ہے"
کیا وہ چین اور پیرو کے ہسپتالوں کا ملاحظہ کر کے ان کی نسل کے برخلاف
دعوے کر سکتی ہے۔ جیسا کہ وہ کہتی ہے کہ "کلدال کدال ہی ہیں"
وہ ہسپتالوں میں جانے اور ملاحظہ کرنے کو "انکشاف" کے نام سے موسوم
کرتی ہے۔ جس کیلئے سائنسدان اپنی قبر میں بے چین ہوگا۔ کیونکہ اس کا
(مس میو کا) بیان ہے کہ اس کا انکشاف سائینٹیفک ہے۔ وہ کہتی ہے
کہ سائنس کے معنے ہیں کہ کسی چیز کا صحیح اور درست علم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
سو اس لئے اس کا بیان درست اور صائب ہے۔ وہ یہی خیال کرتی ہے
اور اس کے ثناخوان بھی ہیں۔ اُنکے علاوہ اور کسی کی وہ پرواہ بھی نہیں
کرتی۔ ہسپتالوں کی حالت بھی بغیر نقص و غلطی کے نہیں۔ اور یہ ترقی پر
پہنچے ہوئے ملکوں میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں یہ
کسی حالت میں بھی الزام کی حالت تک نہیں پہنچ سکتے۔ شفاخانوں
کے نقائص کو سمجھنے کے لئے وہاں کے حالات معلوم کریں۔ جہاں
مقابلتہً ہسپتال چند ایک ہیں۔ اور جہاں کے حالات کا رکھنا اور
کیفیت کا معلوم کرنا نا قابل اعتبار ہے۔ غالباً برطانوی حکام کی
رائے اور تحریر سے آگاہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔ جس کے اختیار پر شاید
امریکن مصنفہ نے ایک حرف تک نہیں کہا ہے۔ [۱]
رو ہمکو متحدہ حکومت کے ۲۰۵ ہسپتالوں میں تناسلی امراض اور

---

[۱] جزائر برطانیہ کے تناسلی امراض کی تحقیق کے لئے شاہی کمیشن سنہ ۱۹۱۶ء

انکے بدنتائج کے حالات دریافت کرنے کے لئے ۱۹۱۴ء میں یکم جنوری سے آخر جون تک ۶ ماہ کا عرصہ ملا - اپنی تحقیقات کو ضروری سمجھتے ہوئے اگر یہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا - کہ اس عرصہ میں ہم تمام شفاخانوں میں سے صرف ۶۷ جوابات ہی لے سکے - حالانکہ بعض مریضوں کے فارم بڑی دقت کیساتھ بھرے گئے اور بعض حالات میں جو اعداد لئے گئے وہ ہمارے مطلب و غرض کے بالکل ناقابل تھے - اور اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں - کہ بہت سے شفاخانوں میں حالات کے موافق بالکل ریکارڈ نہیں رکھا جاتا - ہم نے خیال کیا کہ انکا تقرر نصف پبلک کیطرف سے ہے - اور یہ امراض کے متعلق ایسے حالات بالکل فراہم کرکے نہیں دے سکتے - ہمیں یقین کامل ہے کہ منتظمہ جماعت کے لئے یہ سوال ایک بہت اہمیت رکھیگا"۔

مس میو آخر نتیجہ نکالتی ہے "فیصدی ہندوستانی مستورات بہت کم ایسی ہیں جو تندرست اور ہر لحاظ سے مضبوط ہوں - ...... تناسلی چھوت" اور ایسا ہی نتیجہ بے وقوف اشخاص نیویارک شفاخانے دیکھکر نکال سکتے ہیں - اور ایسا نتیجہ در ماحصل بالکل غلط ہوگا - مس میو کہتی ہے - کہ برٹش سرجن سپرنٹنڈنٹ نے اس کو بتایا - مریضہ عورتوں کے بچے میرا ہوا پیدا ہوتا ہے - وہ سوزاکی مادہ کے اثر میں ملوث ہوتی ہے جس سے آخر کار انکی عظم عانہ (پیٹرو کی ہڈی) بالکل خراب ہو جاتی ہے میں مس میو کے اس فیصلہ کا الزام برٹش سرجن سپرنٹنڈنٹ پر لگانا نہیں چاہتا - میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہوں کہ یہ سرجن کا ذاتی تجربہ تھا - کیونکہ تندرست کبھی ہسپتال نہیں جاتے - کیا ہم

کو انگلش شفاخانوں میں خراب اور خستہ حالت کے مریض نہیں مل سکتے۔
میرے خیال اور رائے میں دنیا کی سب نسلوں میں سے دو نسلیں سب سے زیادہ پاک و صاف رہنے والی ہیں جنمیں سے ایک انگلستان کے رہنے والے اور دوسرے ہندوستانی افراد ہیں۔ برٹش رائل کمیشن کے ذیل کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا سخت بیوقوفی ہے۔ کہ تمام برطانوی عورتیں تناسلی چھوت سے ملوث ہیں۔
"حاملہ عورتوں کے آبِ خون یا نوزائیدہ بچوں میں سے ناف کے خون کے ملاحظہ سے کہ شورڈچ کے ۱۷ کیسز میں سے صرف ۱۴ میں پوزیٹیوری ایکشن ثابت ہوا۔ یعنی ۱۹.۷ فیصدی۔ اسی طرح کی ایک دوسری تحقیق سے معلوم ہوا کہ سٹیٹ بنکر اس کی ۹۰ پیدائشوں میں سے پوزیٹیوری ایکشن صرف ۶.۶ میں پایا گیا۔ ڈاکٹر مالش بیان کرتے ہیں۔ کہ شورڈچ کے ۲۹ حالتوں میں مائیں بالکل تنہا تھیں اور ان میں سے پوزیٹیوری ایکشن صرف ۲۷.۶ میں پایا گیا۔ اور سٹیٹ بنکر اس کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمام پیدائشیں بالکل جائز اور صحیح تھیں۔ اور اس طرح غیر منکوحہ ماؤں میں آتشک کی بڑھتی ہوئی رو کا اظہار ہو گیا۔ مذکورہ بالا تمام حالات میں پڑتال بالکل صحیح طریقہ پر کی گئی۔ حالانکہ نتائج خراب تقسیم کی تصدیق کے لئے بہت ہی کم حالات پر مبنی تھے۔ اور انہیں نتائج کو بہت عظیم خیال کرنا چاہیئے۔
مس میو لکھتی ہے۔ کہ ہندوستانی عورتوں میں نوے فیصدی

سوزش عانہ (پیڑو کی ہڈی کی سوزش) صرف بوجہ سوزاک کے تھے - یہ اُس کی رائے تھے اِس کے علاوہ اُس کے پاس اس کی بریت کے لئے کوئی ثبوت نہیں

"یہ ایک نئے مریض کی حالت ہے، وہ کہتی ہے کہ ہم ایک مریضہ کی چارپائی کے پاس ٹھیرے جو بھوکے حیوان کی طرح ہماری طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی - اس کے بہت سے بچے ہوئے - اس مرتبہ وہ ہسپتال میں مانند سابقہ کے اس غرض سے آئی - کہ اگر وہ ایک ایک جیتا جاگتا بچہ نہ جنیگی تو اس کا خاوند اسکو ہرگز نہیں رکھیگا -

"دستور کے مطابق یہ ایک تناسلی امراض کی مریضہ تھی اس کے علاوہ شفاخانہ میں اور بھی بہت سے نوزائیدہ بچے تھے" مقام غور ہے کہ اگر ہسپتال میں نوزائیدہ بچے تھے کیا ان میں سے کوئی کسی نسبت سے اُنکو تقسیم کر سکتا تھا -؟ بچونکی اموات بقول مس میو عموماً تناسلی امراض کی چھوت کا ہی نتیجہ ہیں - تناسلی امراض کے لئے مقرر شدہ رائل کمیشن کہتا ہے :- "نقشہ نمبر ۲ ضمیمہ ۱ سے انگلستان اور ویلز کے اضلاع میں ایک سال سے کم عمر کے بچوں کی پیدائیش ایکہزار ہیں جنمیں قبل از وقت ولادت بھی شامل ہے - انکی اموات کا پورہ طرح اظہار ہوتا ہے - جو بوجہ پیدائیشی کمزوری کے فوت ہو چکے ہیں اس پر غور کیا جاویگا کہ دیہاتی اضلاع کا مقابلہ نقشہ نمبر ۱ میں قصبوں سے نہیں کیا جا سکتا - اور ویلز میں تعداد اموات بہت ہی زیادہ ہیں - فی ہزار اموات کا بوجہ آتشک کے اظہار ہوتا ہے - یہ اموات

شہری اور دیہاتی علاقوں میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء کے عرصہ میں تقسیم کی گئیں تھیں ۔ تاکہ ناجائز اور بیجا طور پر پیدا شدہ بچوں کی تمیز ہو سکے نقشہ سے دیہاتی حدود میں آتشک کی زیادتی کا بہت کافی ثبوت ملتا ہے اور شہری علاقوں میں بچوں کی اموات قریباً نصف ہیں ناجائز یا غیر شخص سے پیدا شدہ بچوں کی اموات جائز اور صحیح طور پر پیدا شدہ بچوں سے آٹھ اور دس گنا زیادہ ہے ۔ ان نقشوں سے بالکل اصلی واقعات وحالات کا پتہ چل سکتا ہے ۔ کہ آیا یہ درست ہیں یا نادرست"

مس میو کہتی ہے "دماغی امراض کی بہت سی مثال موجود ہیں" ہندوستان کی ان باتوں سے وہ نتیجہ اخذ کرتی ہے ۔ "دو بچہ کی حالت میں بیاہی گئی دس برس کی عمر میں خاوند کے سپرد کی گئی ۔ اس یک لخت اور بے موقعہ کام کے شروع کرنے سے اس کا اثر فوراً دماغ پر پہنچا" ایسا ہوشربا پروپیگنڈا بغیر کسی عقل کے ہے ۔ مگر کیا مغرب میں ایسی امثال کی کمی ہی ہے؟ ۔ برطانوی کمیشن کیا کہتا ہے :۔ پاگل اور غیر مفلوج مریض ۔ ۱۵۱ پاگل اور غیر مفلوج مریضوں میں سے جن میں نوجوان مرگی زدہ ۔ خبطی اور ضعیف العقل بھی شامل ہیں ۔ صرف ۳۰ یا ۳۰.۸ فیصدی مریضوں میں پوزیٹیو ری ایکشن پایا گیا ان اعداد سے بموجب ڈاکٹر ماٹس کے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ان دماغی امراض کے مریضوں میں سابقہ آتشک بالکل نہ تھا" اس سے آگے کمیشن کیا کہتا ہے :۔ "دو پاگل خانوں

کی پڑتال کے لئے صرف تین ماہ کی اجازت ملی تھی
"ضمیمہ ۱۴ میں سے ان مریضوں کے آب خون کے ٹیسٹ (جانچ)
کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمارے لئے لسٹبر انسٹیٹیوٹ کو ٹیسٹ کرنے کی
اجازت ملی تھی۔ جس کے لئے صرف تین ماہ کی اجازت ملی تھی جس کا
اختتام دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہونا تھا۔ آبادی کے مختلف حصص میں
۱۴ مقرر کردہ با کل خانوں کے مقرر شدہ مریضوں کے آب خون کا امتحان
ہوا تھا۔ ۴۵ مریضوں کے امتحان کے بعد ان میں سے
۴۰ مریضوں میں پوزیٹو ۹ میں تھوڑا پوزیٹو اور ۴۵۲ میں نیگیٹو ری
ایکشن ثابت ہوا۔ پوزیٹو اور تھوڑا پوزیٹو ری ایکشن دونوں کے ملانے
سے یہ مراد ہوئی کہ کل ۱۰.۷ اشخاص اوف ہیں۔ پوزیٹو ری
ایکشن صرف ۴.۱۵ میں معلوم ہوا۔" اس سے آپ تمام انگریز قوم
پر فتوے عائد نہیں کر سکتے۔
مسٹر ہیولک کے دیسی اخبارات میں اشتہارات کو دیکھ کر اس
نتیجہ پر پہنچتی ہے ۔ جو "جادو اثر ادویات اور دیگر آلات کی اختراع
کے متعلق ہر اخبار میں ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ تمام ملک ہی مریض
اور نامرد ہے۔ اور یہ ایک بالکل نامناسب بات ہے۔ رائل
کمیشن وہ حالات بیان کرتا ہے جنکا اس نے درست طور پر امتحان
کیا ہے۔ مگر یہ اس کے ساتھ نامناسب ہوگا کہ ہم ذیل میں بھی
اسی طرح کا نتیجہ انہیں حالات کے مطابق ضرور
اخذ کریں:-

"انکشافاتِ خاص"

"جو اعداد حکام کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ انہیں کے ساتھ ہی ہمکو ذیل کے حالات بھی موصول ہوئے ہیں۔ جو ہماری اطلاع کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں۔

(۱) مشرقی لنڈن کے بظاہر تندرست اشخاص میں آتشک کا اثر

"۴۵. روز نامچے اور نقشے جو ڈاکٹر فائیلڈز نے بھرے ہیں (ضمیمہ ۱۲) وہ ۱۰۰۲ مریضوں کے آبِ خون کے امتحان کا حوالہ پیش کرتے ہیں جو لنڈن شفا خانہ میں ہر روز آتے ہیں۔ اور مقرر کیے گئے تھے یہ تجربات ڈاکٹر بلاک نے کیے۔ انکی امراض میں بظاہر آتشک کا کوئی اثر معلوم نہ ہوتا تھا ان مریضونکی سابقہ طبی ہسٹری معلوم کرنے کی کوشش کی گئی جس سے انمیں پوزی ٹوری انکشن معلوم ہوا مگر یہ برا خیال کیا گیا اس لئے یہ طریقہ ترک کردیا گیا ایسے ۴ مریضوں میں سے ۳ مریضوں میں آتشک کا اثر معلوم ہوا۔

"آبِ خون کے امتحان کا نتیجہ ذیل میں درج ہے:۔

جنس	پوزی ٹو		اوسط فیصدی
	مریض	ری ایکشن	
ذکور	616	64	10.3
اناث	389	20	5.1

"مریضوں کو جب بلحاظ عمر کے گروہوں میں تقسیم کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ عمر اور آتشک کے مابین کچھ تعلق ضرور ہے۔ مگر پروفیسر کارل پیرسن نے ان اعداد کا امتحان حالات کو مدِ نظر رکھ کر کیا۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ تعلق بہت زیادہ نہیں اور نمایاں فرق معلوم کرنے کے لئے اور اس فرق کو تسلی بخش ثابت کرنے کے لئے بہت زیادہ تعداد میں مریضوں کی ضرورت ہے"

"۲۰۴۔ اگر ان مریضوں کو اس آبادی کے لحاظ سے درمیانہ درجہ کی مثال سمجھ لیا جاوے۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ لنڈن کی آبادی میں ان علامات کے ماتحت جماعت میں کم از کم ۸ سے ۱۲ فیصدی نوجوان مردوں میں اور ۳ سے ۷ فیصدی نوجوان عورتوں میں آتشک پایا گیا۔ اگر موروثی آتشک کے مریض بھی ان میں شامل کر لئے جائیں۔ یا ان تمام مریضوں کو جنکا اسی طریقہ پر آبجون ٹیسٹ کیا گیا۔ جو روزانہ لنڈن کے شفاخانے میں آتے ہیں شامل کرنے سے یقیناً تعداد اوسط فیصدی بڑھ جاوے۔

"(ب۔ ملازموں کے انکشافات جو میڈیکل رپورٹ کے لئے بھیجے گئے۔

"47۔ طبی معائنہ سے جو نتائج سر جان کولی نے اخذ کئے ہیں۔ 2176 مریضوں کے لئے سوا سات ماہ صرف ہوئے جو ضمیمہ 13 میں درج ہیں۔

" جن مریضوں کا امتحان یا معائنہ کیا گیا وہ تین گروہوں میں منقسم ہیں :-

"1. 119 مریضوں کے معذور ہونیکی تصدیق درکار تھی - جو کسی حادثہ یا بیماری سے ناقابل اور بیکار ہوگئے تھے -

"2. 557 آدمی جو بالکل تندرستی کی حالت میں تھے جن کا ملازمت کے لئے طبی معائنہ ضروری تھا -

"3. 500 آدمی اسی دوسری جماعت کے جو واسرمین ٹیسٹ (Wassermann Test) کے لئے بھیجے گئے

" یہ تمام قسم کے معائنے ڈاکٹر ہاؤس کی زیر ہدایات معمل تشخیص (Pathological Laboratory) کلیے بری میں باجازت خاص لنڈن کی صوبجاتی کونسل پاگل خانوں کی کمیٹی سے کئے گئے -

" پہلی اور دوسری جماعت میں معائنہ کے بعد ۲۰ مریض معلوم ہوئے جنمیں ۴ سوزاک کے تھے یعنی ان میں ۳.۵۸ فیصدی تناسلی امراض کے مریض تھے - تیسرے گروہ میں درج شدہ آدمیوں کے آب خون کے امتحان کے بعد ۴۶ اشخاص میں آتشک پایا گیا - یعنی ۹.۳۶ فیصدی - سرجان کولی بیان فرماتے ہیں کہ واسرمین ٹیسٹ سب پریکٹیکل عمل میں لایا گیا - پہلی اور دوسری جماعت میں تھوڑا - مگر آخری گروہ میں تعداد زیادہ تھی - ۱۰۳ آدمیوں سے جو محکمہ جہاز رانی (Navy) اور فوج (army) میں تھے - ۱۸.۰۹ فیصدی ماؤف آدمیوں

کا مقابلہ 6 و 02 فیصدی 3 و 3 سولین (Civilian man) سے کیا گیا
معائنہ شدہ آدمیوں کی عمر اوسطاً 3 و 3 سے 3 ساہی اور ان
میں سے قریباً سب شادی شدہ تھے۔ تحقیقات محدود تعداد
پر کی گئی تھی۔ جنمیں عموماً اعلیٰ طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ معلوم شدہ
تناسلی امراض کا اثر توقع سے بہت ہی زیادہ معلوم ہوا۔ مگر وہ
اعداد جو ڈاکٹر فائیلڈز نے معلوم کئے تھے۔ ان سے یہ نتیجہ اخذ نہیں
کیا جا سکتا۔ کہ وہ بہت خراب حالت کی طرف جا رہے تھے۔
سر جان کولی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ واسرمین ری ایکشن مرض کے تیسرے
درجہ کی نسبت پہلے اور دوسرے درجہ میں زیادہ موزوں ہے اور یہ
اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۵ فیصدی پوشیدہ حالات میں پوزی ٹوری ایکشن
معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ تیسرے درجہ میں پوزیٹیوری ایکشن
عموماً نمایاں ہوتا ہے۔ اور نیگیٹیوری ایکشن (negative
بہت کم اور اکثر اوقات پوزی ٹوری ایکشن دو یا تین لاحاصل تجربوں
کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ وہ حالات کہ جن سے سر جان کولی کے
مشاہدات درج کئے گئے۔ مریضوں کا صرف ایک ہی مرتبہ معائنہ
ہوا تھا اور یہ ممکن ہے کہ قوم میں نہ معلوم اور پوشیدہ آتشک
کے نقصانات کا اندازہ بہت کم لگایا گیا ہو۔ اتفاقاً جیسا کہ سر جان
کولی بیان فرماتے ہیں کہ حرفتی اور محنتی قوم کے پہلے اور دوسرے
گروہ کے ۶۰ مریضوں میں آتشک کا اثر بہت
خطرناک تھا۔

مذکورہ بالا حوالہ جو کمشنر کی رپورٹ سے دیا گیا۔ مس میو کی کتاب کے اسی قسم کے مشابہ ہے۔ لیکن اگر تمام قوم کی بابت مس میو کی طرح مرد و زن کے نتائج نکالنے شروع کر دیں۔ تو وہ اپنی عقل کے مطابق طبی معائنہ کرا کر دیکھ لیں حالانکہ مس میو کے تمام دعاوی اور بہتان باطل جھوٹے اور بہت ہی کمزور ہیں۔ واقعی مس میو اپنے زعم میں بہت ہوشیار اور عقلمند ہے۔ اور اسکو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ وہ کیا کہ رہی ہے۔ اس کی تمام حرکات پروپیگنڈا پھیلانیوالی ہیں۔ مس میو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔ کہ ہندوستان ملکی آزادی کے ناقابل اور سوشل کاموں میں برہمنوں سے متعلق نہ ہونیوالی قوم کی برابری کا اہل نہیں ہے۔

"کدال کدال ہی ہیں" تمام معاملہ اب برابر ہو گیا۔

اختتام

"اس کتاب کے گذشتہ ابواب میں موجودہ ہند کی بابت زندہ شہادتیں موجود ہیں۔ ان سے .... آسانی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ باطل در متزلزل نہیں کیجا سکتیں"۔ مس میو اپنی کتاب مدر انڈیا میں لکھتی ہے اور یہی کچھ میں بھارت ماتا (فادر انڈیا) کا مصنف کہتا ہوں

ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے۔ کہ گوائی فاکیز نے پارلیمنٹ کو رسوا کرنے کی کوشش کی اور مسٹر میو نے بھی اپنی عیاری کو بہت کچھ کیا۔ تاہم ہندوستانیوں کے قلوب میں سکون ہے۔ ہندوستان کی وفاداری تخت شاہی کیساتھ بالکل کامل اور پہلے کی مانند ہے۔ وہی امریکہ سے منحرف ہے۔ وہ چاہتی ہے۔ کہ برطانوی آزاد رعایا کیساتھ دوستانہ روابط مانند کنیڈا کے مقرر کئے جائیں۔

دوربین انگریز حضرات نے بہت عرصہ ہوا۔ اس بات کو محسوس کرلیا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے میکالے نے لکھا ہے :۔

"یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہندوستان کی پبلک کے قلوب ہمارے نظم و نسق کے ماتحت ترقی کریں اور اپنے ارتقا کے اعلےٰ مدارج پر پہنچ جائیں اعلےٰ اور اچھی گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا کو دوسری اعلےٰ تر گورنمنٹ کے لئے تعلیم دے سکیں۔ اور انگریزی علم کے ہونے سے مستقبل قریب میں انہیں پھر انگریزی مجالس کی ضرورت ہوگی۔ ایسا زمانہ آئیگا یا نہیں میں یہ نہیں کہ سکتا۔ مگر اس سے باز رہنے کی میں کبھی کوشش نہ کرونگا۔ جب کبھی ایسا زمانہ آیا انگلستان کی تاریخ میں وہ قابل فخر زمانہ ہو گا۔"

میکالے کا انگلستان ہندوستان کو اس طرح دیکھتا ہے۔
مدر انڈیا (بھارت ماتا) کے مطابق "مشرق مشرق ہے۔ اور مغرب مغرب ہے" مگر بھارت پتا (فادر انڈیا) کا یہ مقصد نہیں کہ تمام متعلقہ واقعات کو موجود کرنیکا باعث ہو۔ اور کہے کہ مغرب میں سے مشرق کو کیا تفریق اور مشرق ہے بہت شریف۔

تمت شد
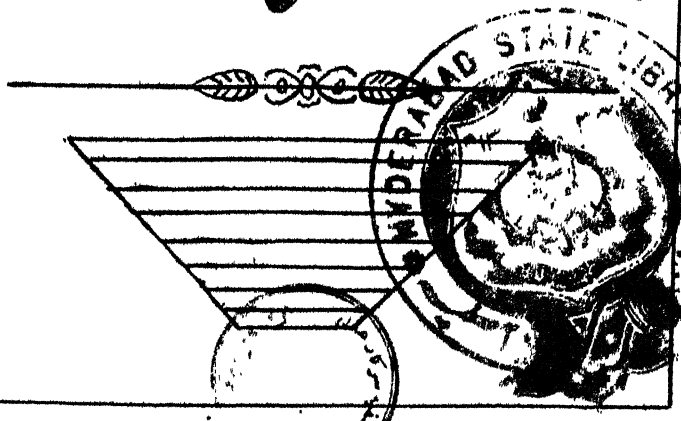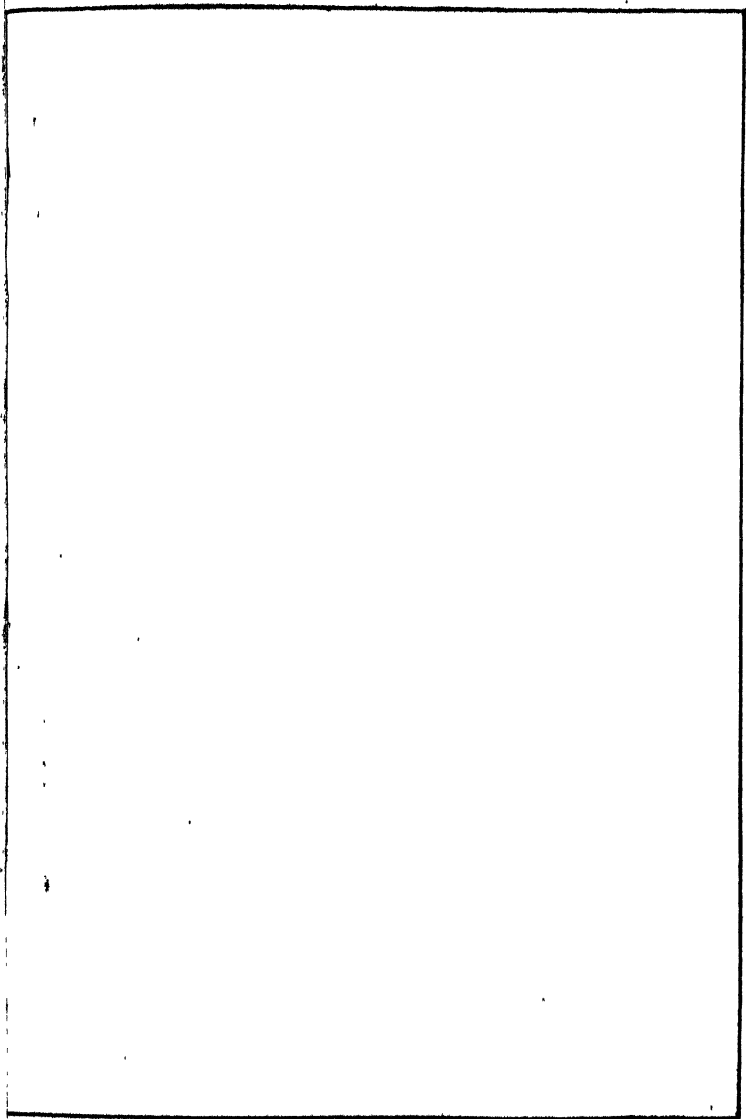
ضرورت نہیں ہوتی ہے

ایسے طلاؤں کی جنکے استعمال کے بعد پاؤں وغیرہ باندھنے پڑیں۔ کیونکہ نازک مزاج اصحاب کے لئے یہ امر باعث تکلیف ہے اس پر طرفہ پان کا گرم کرکے باندھنا۔ سرد پانی کا پرہیز۔ ان سب تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس فارمیسی نے مدت کے تجربہ کے بعد ایک ایسا ہومیوپیتھک طلا ایجاد کیا ہے۔ جس کے استعمال کے بعد نہ پان باندھنے کی ضرورت اور نہ سرد پانی کا پرہیز۔ نہ پھنسی اور آبلے کا خوف۔ بلکہ بغیر کسی نقص اور تکلیف کے رگوں کو چست کرکے ایک از کار رفتہ شخص کو قابل فخر بنا دیتا ہے۔ جن اصحاب کے رگ وریشے کمزور ہوں انکے لئے یہ طلا بہت مفید اندرونی استعمال کیلئے حسب علامات دوا دیجاتی ہے۔

قیمت فی شیشی علاوہ محصولڈاک عہ

اس دواخانہ میں مخصوصہ امراض کا علاجِ شرطیہ کیا جاتا ہے۔ مریض کے مکمل حالات آنے پر دوا ارسال کیجاتی ہے۔ قیمت حسب علامات ۵ روپے سے ۸ روپے تک ہے۔ قیمت طلا علیحدہ متصور کریں۔

اس فارمیسی میں ہومیوپیتھک ادویات کا بہت کافی سٹاک موجود ہے جنمیں ہر قسم کی خالص تازہ اور زود اثر ادویات اور ہر قسم کا سامان متعلقہ نسبتاً ارزاں ملتا ہے۔ ایکدفعہ ضرور آزمائیں

المشتہر مینیجر رائل ہومیو فارمیسی آسارام بلڈنگ فیروزپور چھاونی

خوشخبری
ناظرین کرام کی خدمت
میں عرض ہے کہ جو اصحاب کتاب ہذا
پر ریویو کر کے ارسال فرما کر ہمیں مشکور
فرماوینگے تو وہ اس کتاب کو اگر دوبارہ
خریدنا چاہئیں تو صرف ۱۲ر میں خرید سکتے ہیں